جامعہ عثمانیہ گلشن بلاک کا ترجمان مجلہ
نوائے خادم
شمارہ رمضان 1444 ہجری
زیر سرپرستی
حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ
شائع کردہ: جمعیت طلباء عثمانیہ
nawaekhadim@outlook.com
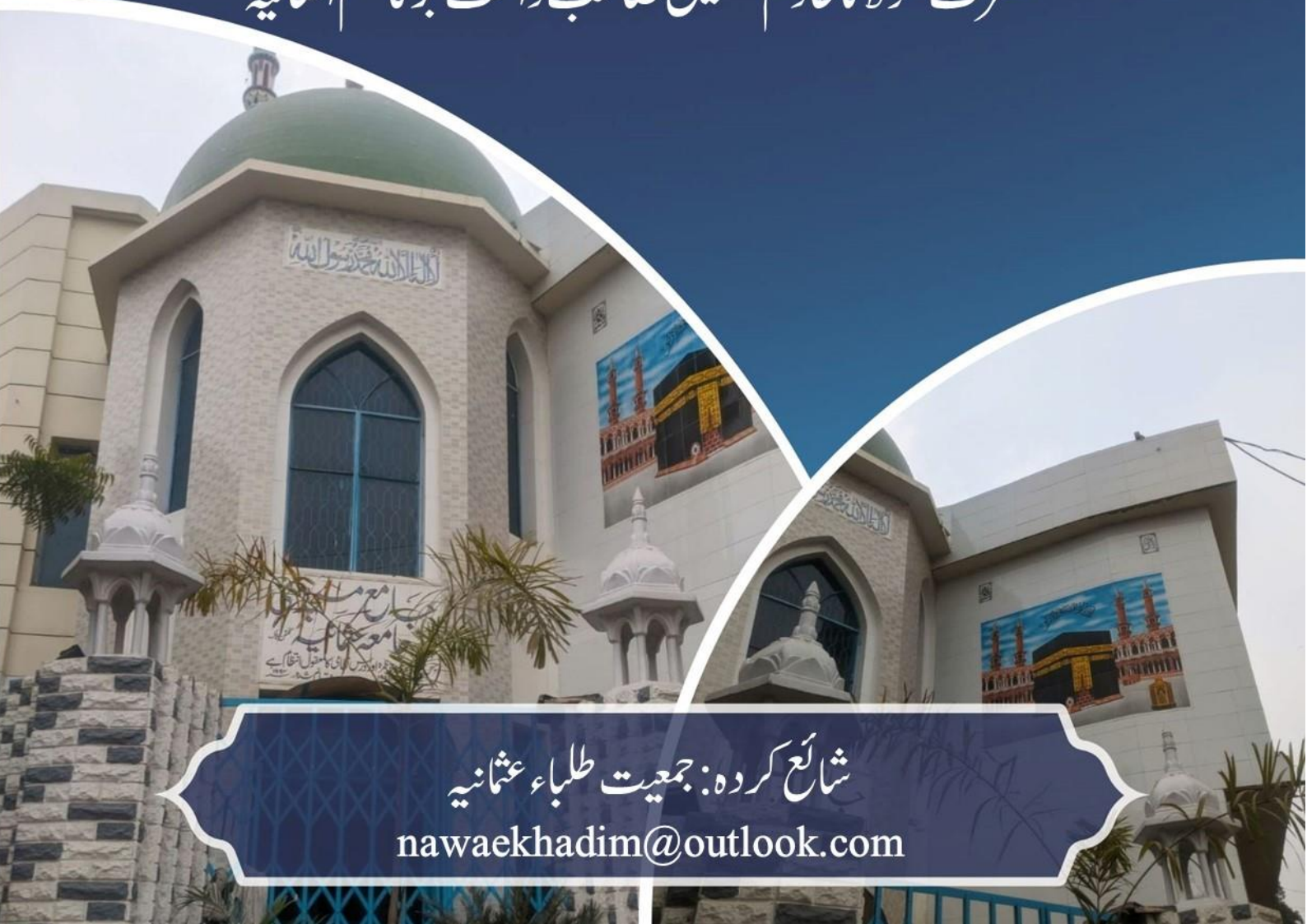
جامعہ عثمانیہ گلشن بلاک کا ترجمان مجلہ

شمارہ رمضان 1444 ہجری

ضروری وضاحت

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ایک مکمل، باقاعدہ اور منفرد مجلہ کی حیثیت سے یہ "نوائے خادم" کا پہلا شمارہ قارئین کرام آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔ سب کام انسانوں کے ہاتھ ہوتا ہے اس لیے غلطی رہ جانے کے امکانات ہوتے ہیں۔ اس لیے قارئین کرام آپ سے گزارش ہے کہ کوئی غلطی بھی نظر آئے تو براہ کرم مطلع فرمایئے۔

- آپ منتخب مضامین اور شعراء کا منتخب کلام بھی بھیج سکتے ہیں۔
- حمد و نعت اور فکاہیہ مضامین جو اخلاقی حدود میں رہ کر لکھے گئے ہوں / منتخب کیے گئے ہوں، بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔
- دینی، علمی، کمپوز شدہ مضامین قابل قبول ہوں گے۔
- نزاعی اور اختلافی نیز سیاسی مضامین شائع نہ ہوں گے۔
- بعض قارئین اخبارات ورسائل سے تحریریں من وعن نقل کر کے اپنے نام سے ارسال کرتے ہیں ایسا ہرگز نہ کیجئے کیونکہ ایسی تحاریر شائع نہیں کی جاتیں۔
- مضمون نگاروں کی تمام آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

مضامین نوائے خادم مجلہ کے کسی رکن کو پی ایم کر دیں یا پھر درج ذیل پتہ پر ای میل کر سکتے ہیں۔

مدیر نوائے خادم

محمد داؤد الرحمن علی

نوائے خادم اراکین

بیاد

مہر احمد بخش مرحوم

مولانا یسین احمد عثمانیؒ

مولانا محمد حفظ الرحمن فاروقؒ

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث والتفسیر، استاذ العلماء

حضرت مولانا خادم حسین صاحب

دامت برکاتہم العالیہ

زیر نگرانی

حضرت مولانا احمد قاسمی صاحب

مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا

محمد عبید الرحمن صدیق

صاحب

مدیر

مولانا محمد داؤد الرحمن علی صاحب

مدیر معاون

مولانا سہیل نواز عثمانی صاحب

مجلس مشاورت

- مولانا شوکت علی اعوان صاحب
- مولانا عبداللہ ہزاروی صاحب
- مولانا محمد اکرم عثمانی صاحب
- مولانا عمیر نواز صاحب
- مفتی محمد شمس الرحمن عثمان صاحب
- ڈاکٹر محمد عثمان غنی صاحب
- صاحبزادہ حافظ محمد قاسم اسامہ صاحب

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمداللہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی رسولہ النبی الکریم وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ اما بعد

اللہ عزوجل کے فضل وکرم واحسان واساتذہ کی دعاؤں سے الحمدللہ جامعہ عثمانیہ گلشن بلاک لاہور کے ترجمان، برقی مجلہ **"نوائے خادم"** کا پہلا شمارہ کامیابی کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچا۔اس کامیابی پر اللہ سبحانہ وتعالی کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے۔ اللہ پاک نے جس عظیم کام کے لیے ہمیں منتخب فرمایا ہم اس قابل کہاں تھے؟ یہ سب اللہ کا فضل، والدین، اساتذہ اور دوست احباب کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ اللہ رب العزت نے یہ کی توفیق عطا فرمائی۔

جامعہ عثمانیہ گلشن بلاک لاہور کا قیام پاکستان کے دل شہر لاہور میں **1993** کو عمل میں لایا گیا۔ عثمانیہ کی نسبت خلیفہ سوم داماد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جیسی عظیم ہستی کی طرف کی گئی۔ جامعہ کے قیام کے بعد جب باقاعدہ تعلیمی سال کا آغاز ہوا تو **استاد محترم حضرت مولانا یسین احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ** نے جمعیت طلباء عثمانیہ کی بنیاد ڈالی۔ جس کا مقصد تھا کہ طلباء عظام کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ طلباء کو تقریر و تحریر کا ہنر

بھی سکھلایا جائے تاکہ جب طالب علم فارغ التحصیل ہو کر اپنے شہر یا گاؤں واپس جائے تو اس کو بات سمجھانے یا لکھنے میں کسی قسم کا تردد نہ ہو اور لوگوں کو تقریر و تحریر کے ذریعے قال اللہ و قال الرسول کی بات پہنچائے۔

اسی چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے طلباء کرام کی ہفتہ وار بزم کا انعقاد کیا گیا۔ جس کا نام **"بزم اصلاح البلیان"** تجویز کیا گیا۔ طلباء کی تربیت کے لیے مکمل نظام طلباء کے حوالے کیا گیا باقاعدہ طلباء سے چند طلباء کو منتخب کر کے تمام نظام ان کے حوالے کیا جاتا تھا۔ ہر کلاس سے طلباء کو منتخب کر کے باقاعدہ الیکشن کروائے جاتے جس کے ووٹ زیادہ ہوتے اسے منتخب کر لیا جاتا تھا۔ مکمل ایک نظم کے تحت طلباء کی تربیت کا آغاز ہوا۔ ہفتہ میں اشتہار لگا دیا جاتا عنوان تجویز کر دیا جاتا اور جمعرات کو بزم کا میدان سجایا جاتا اساتذہ اس میں تشریف رکھتے اور طالب علم کی اصلاح فرماتے۔ ہر طالب علم کو پانچ سے سات منٹ کا موقع دیا جاتا جسمیں اس نے بات مکمل کرنا ہوتی تھی پانچ منٹ بعد بیل بجتی کہ اپنے الفاظ اختتام کی طرف لے جاؤ اور یہ اس لیے ہوتا کہ طالب علم کو یہ سکھلانا مقصود ہوتا کہ وقت کے اندر بات کیسے مکمل کرنی ہے ؟

الحمد اللہ یہ نظام آج بھی اسی طرح قائم و دائم ہے جیسے آج سے تیس سال قبل تھا اور ان شاءاللہ ایسے ہی قائم و دائم رہے گا۔ جمعیت طلباء کے زیر اہتمام برقی مجلہ کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ جسمیں طلباء کی تحریری صلاحیتوں کو سامنے لانا اور ان کے اس ہنر کو مزید تراش کر کندن بنانا مقصود ہے۔ اساتذہ جامعہ کی کوشش رہی کہ ہمارا ہر طالب علم میدان درس و تدریس، تقریر و خطابت میں عبور حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ میدان تحریر کا شہسوار بھی ہو۔ اسی چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے جمعیت طلباء عثمانیہ کا قیام عمل میں لایا گیا اور ایک منظم نظام قائم کیا گیا۔ اور اسی سلسلہ کی ایک اور کاوش یہ برقی مجلہ **"نوائے خادم"** بھی ہے۔

چند عرصہ قبل بڑے بھائی **مولانا محمد حفظ الرحمن فاروق نور اللہ مرقدہ** نے مشورہ عنایت فرمایا تھا کہ طلباء میں تحریری صلاحیت اجاگر کرنے کے لیے ایک برقی مجلہ کا آغاز کیا جائے، جس میں طلباء جامعہ کے ساتھ ساتھ دیگر احباب بھی اس بابرکت کام کا حصہ بنیں اور طلباء کے اندر رغبت پیدا ہو۔ میری سستی و کاہلی سمجھ لیں کہ ان کی زندگی میں یہ کام نہ کر سکا۔ اب اس خواب کو پورا کرنے کے لیے اس شمارے کا اجراء کیا گیا۔

الحمد للہ یہ شمارہ استاذ العلماء حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی زیر سرپرستی، میدان تحریر کے بے تاج بادشاہ اور شہسوار حضرت مولانا احمد قاسمی صاحب اور مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب کی زیر نگرانی، حضرت مولانا محمد عبید الرحمن صدیق صاحب کی زیر قیادت، مولانا محمد سہیل نواز عثمانی صاحب کی معاونت میں، اساتذہ جامعہ مولانا شوکت علی

اعوان صاحب، مولانا عبداللہ ہزاروی صاحب، مولانا محمد اکرم عثمانی صاحب، مولانا عمیر نواز صاحب، مفتی محمد شمس الرحمن عثمان صاحب، صاحبزادہ حافظ محمد قاسم اسامہ صاحب اور ڈاکٹر محمد عثمان غنی صاحب کی مجلس مشاورت سے پایہ تکمیل تک پہنچا۔

ہر کام انسانی ہاتھوں سے ہو کر گزرا بھرپور کوشش کی گئی کہ ایک جاندار و شاندار شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ان شاءاللہ العزیز یہ شمارہ میدان تحریر میں مثل آفتاب افق پر ابھرے گا اور آپ کو میدان تحریر کا عظیم شہسوار بنائے گا اور آپ کی علمی پیاس کو بھی بجھائے گا۔

سورۃ الفاتحہ مکیہ

ترتیب نزولی: ۵ ترتیب قرآنی: ۱ آیات: ۷ رکوع: ۱

خلاصہ

مضامین قرآن اجمالاً واختصاراً کتنے ہیں؟ مفسرین نے اپنے اپنے علمی استحضار کے مطابق مختلف طرق سے بیان فرمائے ہیں جن میں سے چند ایک ذکر کئے جاتے ہیں۔

طریقہ اولیٰ

قرآن پاک میں پانچ مضامین ہیں۔(۱) توحید، (۲) رسالت، (۳) قیامت، (۴) عمل صالح، (۵) اجتناب عن المعاصی۔ یہ سب مضامین اس سورت میں موجود ہیں۔

تفصیل:

توحید "**الحمد للّٰہ رب العالمین، الرحمٰن الرحیم**" میں ہے۔

رسالت ''اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم''میں ہے۔

قیامت ''مالک یوم الدین''میں ہے۔

عمل صالح ''ایاک نعبد وایاک نستعین''میں ہے۔

اجتناب عن المعاصی ''غیر المغضوب علیھم ولا الضالین''میں ہے۔

طریقه ثانیه

قرآن پاک میں چار مضامین ہیں (۱) اصلاح العلم (۲) اصلاح العمل (۳) ترغیب (۴) تخویف

اصلاح العلم ''الحمد '' سے ''مالک یوم الدین''تک۔

اصلاح العمل ''ایاک نعبد وایاک نستعین''میں ہے۔

ترغیب ''اہدنا الصراط المستقیم''میں ہے۔

قرآن مجید پڑھنا سعادت اس کو سننا سعادت اس کو پھیلانا سعادت، اور جب پڑھنے والے کی آواز بھی خوبصورت ہو تو مزہ دو بالا ہو جاتا ھے سکون کی صورت میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے زینت بخشو۔ (سنن نسائی 1016)

قرآن مجید ہمارا بہترین ساتھی اور رہبر ور ہنما ہے اگر ھم اس سے اپنا رشتہ مضبوط کریں گے تو ان شاءاللہ کبھی تنہا نہیں ہوں گے ۔ اپنی ہر صبح کا آغاز خوبصورت تلاوتِ قرآن مجید کے ساتھ کیا کریں۔ یاد رکھیں! بدروح کی غزا موسیقی ہے اور نیک روح کی غزا تلاوتِ قرآن ہے۔

آپ ﷺ نجیب الطرفین تھے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِکُمْ وَقَالَ اَنَا اَنْفَسُکُمْ نَسَبًا وَّصِہْرًا وَحَسْبًا لَیْسَ فِیْ اٰبَآءِ یْ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ سَفَاحٌ کُلُّنَا نِکَاحٌ۔ (رواہ ابن مردویہ، زرقانی، شرح مواہب لدنیہ۔ سیرۃ المصطفٰی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **لقد جاء کم رسول** والی آیت تلاوت کی اس میں **اَنْفَسُکُمْ** پڑھا اور فرمایا میں تم سے حسب نسب اور سسرال کے لحاظ سے افضل اور اشرف ہوں، ہمارے آباؤاجداد میں آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کوئی بھی کہیں بھی زنا میں ملوث نہیں ہوا۔ سب نکاح سے پیدا ہوئے ہیں“۔

وَمَا افْتَرَقَ النَّاسُ فِرْقَتَیْنِ اِلَّا جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِیْ خَیْرِہِمَا فَاُخْرِجْتُ مِنْ بَیْنِ اَبَوَیَّ فَلَمْ یُصِبْنِیْ شَیْءٌ مِنْ عُہْرِ الْجَاہِلِیَّۃِ وَخُرِجْتُ مِنْ نِکَاحٍ وَلَمْ اُخْرَجْ مِنْ سِفَاحٍ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ حَتّٰی اِنْتَہَیْتُ اِلٰی اَبِیْ وَاُمِّیْ فَاَنَا خَیْرُکُمْ نَسَبًا وَخَیْرُکُمْ اَبًا۔ (کنز العمال ص ۱۸۱)

"جب لوگوں کی دو جماعتیں بنیں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بہتر جماعت میں رکھا۔ میں اپنے حقیقی والدین سے پیدا ہوا ہوں۔ مجھے دورِ جاہلیہ کی بدکاری سے کوئی ذرہ سی چیز بھی نہیں پہنچی، میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں زنا سے پیدا نہیں ہوا۔ میں آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے حقیقی والدین تک تم سب سے بہتر خاندان والا ہوں اور والد کے لحاظ سے تم سے بہتر ہوں"۔

نبی کریم ﷺ اور لوگوں کی مثال

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور لوگوں کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس نے آگ جلائی، جب اس کے چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں اس میں گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں اس میں سے نکالنے لگا لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آئے اور آگ میں گرتے رہے۔ اسی طرح میں تمہاری کمر کو پکڑ کر آگ سے تمہیں نکالتا ہوں اور تم ہو کہ اسی میں گرتے جاتے ہو

(صحیح بخاری:6483)

لب پر صبح و شام ہے "اللہ اللہ"
کتنا پیارا نام ہے اللہ اللہ!!

نبیوں کا پیغام ہے "اللہ اللہ"
ولیوں کا الہام ہے "اللہ اللہ"

لوگو! اپنے کام سے مطلب رکھو
اپنا تو بس کام ہے "اللہ اللہ"

اللہ، اللہ! آسانی، آسانی
راحت اور آرام ہے "اللہ" "اللہ"

معراجِ مومن کا کیا ہے ٹھکانا
آغاز اور انجام ہے "اللہ" "اللہ"

اس سے بڑھ کے فضیلت کیا ہو اسامہ!
حامد کا انعام ہے "اللہ" "اللہ"

اللہ کی یاد میں آنسو بہنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا؛ سات طرح کے لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں پناہ دے گا۔ (ان میں) ایک وہ شخص بھی ہے جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(صحیح بخاری:6479)

میں تھا ایک دن خیالوں میں کھویا ہوا
رب سے میں نے تصور میں کی التجا

کون ہے تجھ کو پیارا اے میرے خدا
مجھ سے میرے خدا نے کہا مصطفیٰ ﷺ

پوچھا آدمؑ سے میں نے کہ اے اُوصَفِی
آپ سے بڑھ کر جہاں میں کوئی بھی نہیں

بولے مجھ سے بھی بڑھ کر ہے وہ مہ جبین
نام جن کا سرے عرش میں نے پڑھا

پوچھا یوسفؑ سے میں نے کہ پیارے نبیؐ
دیکھ کر تجھ کو ہیں انگلیاں کاٹ دی

بولے مجھ سے بھی ہیں اس جہاں میں حسین
جس نے دیکھا انہیں ان پر خود کٹ گیا

پوچھا نبیوں سے میں نے کہ اے انبیا
لیل معراج میں کیا ہوا واقعہ

بولیں سب انبیا کہ قسم بخدا
ہم بنے مقتدی وہ بنے مقتدا

پوچھا جبرائیلؑ سے مجھ کو یہ تو بتا
کون ہے تجھ سے اقرب الٰی رَبنا

بولے میری تو حد سدرۃ المنتہیٰ
اے کلیم اس سے آگے گئے مصطفٰی

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم ۔امابعد!

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ(سورة النمل، آیت نمر:۴۰)

معزز و محترم علماء کرام! حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ کو خط لکھا۔جب ملکہ کے تخت کو لانے کی باری آئی تو اس مجلس میں ایک جن نے کہاہزاروں دور میل پڑے اس تخت کو میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے قبل حاضر کردوں گااور حاضر کر بھی دیا۔اللہ رب العزت نے جب اس واقعہ کو قرآن کریم میں ذکر فرمایا تو وہاں لفظ ''علم'' فرمایااور یوں فرمایا کہ ''علم والے'' نے کہا۔یعنی اس کے علم میں اتنی قوت تھی کہ وہ آنکھ جھپکنے سے قبل تخت لے آیا۔ تین چیزیں اگر مل جائیں تو علم قوی ہو جاتا ہے۔

1۔ صحیح علم حاصل کیا جائے۔۲۔علم پر عمل کیا جائے۔۳۔اخلاص

علم حاصل کرے تو صرف اللہ کی رضا کے لیے حاصل کرے اور عمل کرے تب بھی اللہ کی رضا کے لیے کرے،علم کو اگر عمل واخلاص کے ساتھ کرینگے تو علم میں قوت آجائے گی۔

چار چیزوں کا خیال رکھیں

۱۔ تقویٰ ۲۔ تواضع و زہد ۳۔ اخلاص ۴۔ مجاہدہ

۱۔ تقویٰ انسان اور اللہ کے درمیان ہوتا ہے۔ جب انسان کے اندر تقویٰ آجاتا ہے تو قرآن کہتا ہے کہ

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاكُمْ(سورۃ الحجرات ،آیت نمبر:۱۳)

بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

تقویٰ سے انسان معزز ہو جاتا ہے۔ جب انسان اللہ کے ہاں معزز ہو جائے تو ساری دنیا میں اس کی عزت ہو جاتی ہے۔ جب اللہ کے ہاں عزت نہ ہو تو عزت کہیں نہ ہو گی، چاہے مال ہو، عہدہ ہو یا بادشاہ ہو۔

اللہ رب العزت نے جب جنت کی خوشخبریاں عطا فرمائیں وہاں بھی اللہ پاک تقویٰ کو پہلے لائے ہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا(سورۃ النباءآیت نمبر:۳۱)

بے شک پرہیز گاروں کے لیے کامیابی ہے۔

۲۔ دوسری چیز تواضع کے ساتھ پیش آنا یعنی جتنا زیادہ علم ہو گا اتنا زہد اور تواضع آئے گی۔ حدیث شریف میں آیا ہے

مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ(مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو والتواضع، ورقم الحديث (2588)، وأما الجزء والصفحة: (4/ 2001)

جو شخص اللہ کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ اسے رفعت عطا کرتا ہے۔

جب انسان میں تواضع کی جگہ تکبر آجائے تو آپ کے شاگرد، آپ کا حلقہ احباب، آپ کے دوست آپ کی عزت نہیں کرینگے۔ وہ کہیں گے یہ شخص تکبر رکھتا ہے۔

تواضع سیکھنا ہے تو نبی الاولین والاخرین، امام الانبیاء، خاتم المرسلین ﷺ کی سیرت طیبہ سے سیکھیے کہ وہ کیسے تواضع اختیار فرمایا کرتے تھے۔

اس لیے سب کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آئیں۔

۳۔ تیسری چیز دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنی ہے اور زہد کو اپنانا ہے۔ حرام و حلال کا خیال رکھیں، اللہ تعالیٰ جو عطا فرمادیں اس پر اللہ کا شکر ادا کریں، امتحان آجائے تو ہر گز پریشان مت ہو۔

اور خاص بات دنیا کی حسرت نہ کرو کہ دنیاآجائے، یاد رکھیں! اگرآپ دنیا کے پیچھے بھاگے دنیاآپ سے آگے بھاگے گی۔ دنیاسے بے رغبتی اختیار کرلو دنیاخود تمہاری قدموں پر گرے گی۔

۴۔ چوتھی چیزاپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کریں۔

تقویٰ اللہ کے ساتھ، تواضع بندوں کے ساتھ، زہد دنیاوالوں کے ساتھ، مجاہدہ اپنے نفس کے ساتھ۔

نفس کی اگراصلاح نہ کی جائے تو یہ شیطان کے پیچھے چلتاہے۔ یاد رکھیں شطان ہمارامستند دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا(سورۃ فاطر،آیت نمبر:۶)

بے شک شیطان تو تمہارادشمن ہے سوتم بھی اسے دشمن سمجھو

اس لیے اپنے نفس کی اصلاح کریں اگراصلاح نہ کریں تو نفس شیطان کے پیچھے مت جائیں۔ جب نفس شیطان کے پیچھے جاتاہے تو شیطان نفس کو ورغلاتاہے جس سے نماز میں سستی، روزہ میں سستی، اسباق میں سستی، نیکی کے کاموں میں سستی اور یہ سستی آپ کو کہیں اور لے جائے گی اس لیے اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہیں۔ جس چیز میں سستی ہواس کو زیادہ کریں اور جو کام آپ کو مشکل نظرآرہاہے اس کو زیادہ کریں توآسان ہو جائے گا۔

خواہشات نفس کی چیزیں جو سامنے آرہی ہیں اس سے صرف نظر کریں، منہ پھیر لیں ان شاءاللہ آپ کا نفس مطمئن ہو جائے گا۔

قرآن مجید نے تین نام بتائے ہیں نفس کے

۱۔ نفس امارہ ۲۔ نفس لوامہ ۳۔ نفس مطمئنہ

اگر نفس کو یونہی چھوڑ دیاجائے تو یہ نفس امارہ کہلاتاہے یعنی گناہوں کی ترغیب دیتاہے۔ نفس کی اصلاح کی جائے تو یہ لوامہ بن جاتاہے اور گناہ پر ملامت کرتاہے۔

نفس کی مزید اصلاح کی جائے پھر مطمئنہ بن جاتاہے یعنی نیکوں کے بغیر اسے چین نہیں ملتا اور وہ نیکیوں میں لگ جاتا ہے۔ اگر وہ نیکی نہ کرے تو اسے بے چینی سی پیداہو جاتی ہے۔ جب نفس مطمئنہ کے ساتھ اس کا انتقال ہوتاہے تو غیب سے صدا آتی ہے

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ(سورة الفجر،٢٧)

(ارشاد ہوگا)اے اطمینان والی روح

اِرْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً(سورة الفجر،٢٨)

اپنے رب کی طرف لوٹ چل،تواس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ(سورة الفجر،٢٩)

پس میرے بندوں میں شامل ہو

وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ(سورة الفجر،٣٠)

اور میری جنت میں داخل ہو۔

اس دور میں تعلیمی ادادروں کے قیام کا رواج نہ تھا، عہد رسالت میں مسجد نبوی میں مردوں کے لیے مستقل درسگاہ "صفہ" کے نام پر بنائی گئی، لیکن خواتین کے لیے مستقل درسگاہ کا انتظام نہ تھا، خلافت راشدہ میں ان کی با قاعدہ اور سب سے بڑی درسگاہ صرف مسند سیدہ عائشہ صدیقہؓ ہی تھی۔

صحابیات نے ان حالات میں اپنے اپنے گھروں ہی کو ادارہ جاتی شکل دے دی تھی، جہاں نہایت سادہ انداز میں اشاعت علم کا کام ہوتا تھا۔ وہ اس طرح کہ صحابیات نے اپنے اپنے رشتہ داروں کو تعلیم دینی شروع کی، جن میں مرد بھی تھے اور خواتین بھی۔

محدثات صحابیات کے رواۃ وتلامذہ میں سے بے شمار ان کے اپنے محارم ہیں، مدینہ میں بیسیوں ایسے گھرانے تھے جو بے نام علمی اداروں کا روپ دھار چکے تھے۔ ذیل میں ان میں سے صرف دس گھرانوں کی فہرست دی جارہی ہے۔

رشتہ داروں میں موالی بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔

۱۔بیت عائشہ رضی اللہ عنہا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عام افادہ کے ساتھ گھر میں بھی ہمہ وقت تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتی تھیں۔

آپ کے رشتہ دار تلامذہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ قاسم بن محمدؒ (بھتیجا) ۲۔ عبداللہ بن عمر بن عبدالرحمنؒ (بھتیجا) ۳۔ ام کلثوم بنت ابی بکرؓ (بہن) ۴۔ عبداللہ بن زبیرؓ (بھانجا) ۵۔ قاسم بن الزبیرؒ (بھانجے) ۶۔ عباد بن حبیب بن عبداللہؒ (بھانجے کا پوتا) ۷۔ عباد بن حمزہ بن عبداللہؓ (بھانجے کا پوتا) ۸۔ عروہ بن الزبیرؓ (پوتا) ۹۔ حبیب بن عبداللہ (بھانجے کا بیٹا) ۱۰۔ عوف بن الحارث (رضاعی بھائی) ۱۱۔ حفصہ بنت عبدالرحمن (بھتیجی) ۱۲۔ اسماء بن عبدالرحمنؒ (بھتیجی) ۱۳۔ عائشہ بنت طلحہ (بھانجی) ۱۴۔ عبداللہ بن ابی عتیق بن محمد بن عبدالرحمن (بھائی کا پوتا) ۱۵۔ یحیی بن عباد بن حمزہ بن عبداللہ (بھانجے کے پوتے کا بیٹا) ۱۶۔ ابو عمرو ذکوان (مولی)

۲۔بیت ام سلمہ رضی الہ عنہا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا گھر طالبان علم کا مرجع تھا۔ وہ صحابیات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بعد سب سے زیادہ روایت کرنے والی ہیں۔ ان کے رشتہ دار تلامذہ مع موالی کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ زینب بنت ابی سلمہؓ (بیٹی) ۲۔ عمر بن ابی سلمہؓ (بیٹا) ۳عامر بن ابی امیہ (بھائی)۔ عبداللہ بن زمعہؓ (داماد)

۵۔ ابو عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ (نواسہ) ۶۔ عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیقؓ (بھانجا) ۷۔ مصعب بن عبداللہ بن ابی امیہ (بھتیجا) ۸۔ بنھان (کاتب) ۹۔ ابن کثیر (مولی) ۱۰ سفینہ (مولی) ۱۱۔ عبداللہ بن رافع (مولی) ۱۲۔ ابن سفینہ (مولی) ۱۳۔ ناعم (مولی) ۱۴۔ سلیمان بن یسار (مولی) ۱۵۔ عطاء بن یسار (مولی) ۱۶۔ خیرۃ ام الحسن البصری (مولاۃ) ۱۷۔ نافع (مولی)

۳۔بیت میمونہ رضی اللہ عنہا:

ام المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث الھلالیہ کا گھر بھی ایک بے شکل مکتب کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اگرچہ آپ کو اشاعت علم کا زیادہ موقع نہ مل سکا اور خلافت فاروقیؓ کی ابتدا میں ہی آپ کی وفات ہو گئی۔ پھر بھی آپ سے استفادہ کرے والوں کی بڑی تعداد ہے۔ آپ کے محارم اور موالی تلامذہ درج ذیل ہیں:

ا۔عبد اللہ بن عباسؓ (بھانجا) ۲، عبد اللہ بن شداد بن الھادؓ (بھانجا) ۳۔عبد اللہ (ربیب) ۴۔عبد اللہ بن سلیطؓ (رضاعی بھائی) ۵۔ابراہیم بن عبد اللہ (بھانجے کا پوتا ۶۔یزید الاصم (بھانجا) ۷۔عطاء بن یسار (مولیٰ) ۸ سلیمان بن یسار (مولیٰ) ۹۔عبد الرحمن بن السائب (بھائی کا پوتا) ۱۰۔ندبۃ (مولیٰ)

۴۔بیت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہاؓ

حضرت اسماءؓ کے گھر میں ان سے علم حدیث حاصل کرنے والے رشتہ دار مرو خواتین اور موالی کی فہرست درج ذیل ہے۔

ا۔عبد اللہ بن الزبیرؓ (بیٹا) ۲۔عروۃ بن الزبیرؓ (بیٹا) ۳۔عباد بن عبد اللہ (پوتا) ۴۔عبد اللہ بن عروہ (پوتا) ۵۔عباد بن حمزہ بن عبد اللہ (پوتے کا بیٹا) ۶۔فاطمہ بنت المنذر (پوتی) ۷۔ابو بکر بن عبد اللہ (پوتا) ۸ عامر بن عبد اللہ (پوتا) ۹۔محمد بن عباد بن عبد اللہ (پوتے کا بیٹا) ۱۰۔عبد اللہ بن کیسان (مولیٰ)

۵ بیت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا:

حضرت اسماء بنت عمیسؓ کے تلامذہ میں سے ان کے رشتہ دار اور موالی یہ ہیں۔

ا۔عبد اللہ بن عباسؓ (بھانجا) ۲۔عبد اللہ بن جعفر (بیٹا) ۳۔عبد اللہ بن شداد بن الہاد (بھانجا) ۴۔قاسم بن محمد بن ابی بکر (پوتا) ۵۔ام عون بنت محمد بن جعفر (پوتی) ۶۔فاطمہ بنت علی (سوتیلی بیٹی) ۷۔عروۃ بن الزبیر (سوتیلا نواسہ)

۶: بیت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:

حضرت ام حبیبہؓ کا گھر بھی مکتب الحدیث بن چکا تھا، اس کے طالبان علم میں درج ذیل رشتہ دار شامل ہیں۔

ا۔معاویہؓ (بھائی) ۲۔عتبہ بن ابی سفیانؓ (بھائی) ۳۔عبد اللہ بن عتبہ بن ابی سفیانؓ (بھتیجا) ۴۔ابو سفیان بن سعید بن المغیرہ (بھانجا) ۵۔حبیبہ بنت عبد اللہ بن جحش (بیٹی) ۶۔سالم بن شوال (مولی) ۷۔ابو الجراح (مولی)

۷: بیت ام الفضل رضی اللہ عنہا:

ا۔حضرت ام الفضل بنت الحارث الہلالیہؓ سے علم حدیث لینے والوں میں گھر کے بہت سے افراد شامل تھے، جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔عبداللہ بن عباس (بیٹا) ۲۔تمام بن عباس (بیٹا) ۳۔ہندبنت الحارث (بھانجے کی بیوی) ۴۔عمیر (مولی)

۸:بیت ام ہانی رضی اللہ عنہا:

حضرت ام ہانیؓ کے گھر میں ان سے علم حدیث میں تلمذ حاصل کرنے والے رشتہ دار مردو عورت، خواتین اور موالی درج ذیل ہیں۔

۱۔جعدہ (بیٹا) ۲۔ہارون (پوتا) ۳۔یحیی بن جعدہ (پوتا) ۴۔ابو مرّہ (مولیٰ) ۵۔ابو صالح (مولیٰ)

۹ :بیت الشفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا:

حضرت شفاؓ معلمۃ النساء کے لقب سے ملقب کی گئی ہیں۔آپ کے رشتہ دار تلامذہ یہ ہیں۔

۱۔سلیمان بن ابی حثمہ (بیٹا) ۲۔ابو بکر بن سلیمان (پوتا) ۳۔عثمان بن سلیمان (پوتا) ۴۔ابو اسحاق (مولی)

۱۰۔بیت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا:

حضرت صفیہ کے اس گھریلو ادارۂ حدیث کے رشتہ دار تلامذہ یہ ہیں۔

۱۔منصور بن عبدالرحمن الحجبی (بیٹا) ۲۔عبدالحمید بن جبیر بن شیبہ (بھتیجا) ۳۔مسافع بن عبداللہ بن شیبہ (بھانجا) ۴۔مصعب بن شیبہ (بھتیجے کا پوتا) ۵۔محمد بن عمران الحجبی (نواسہ)۔

یہ فہرست صرف دس گھرانوں کی ہے اگر کم از کم دو تلامذہ پر مشتمل گھرانوں کو شمار کیا جائے تو ان کی تعداد تیس بھی زیادہ ہے۔دوسرے یہ کہ یہ فہرست صرف رشتہ دار مردو خواتین اور موالی کے ناموں پر مشتمل ہے۔غیر رشتہ دار مردو خواتین تلامذہ کو شامل کیا جائے تو یہ ان نسائی درس گاہوں کے طلبہ کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

اس محدود فہرست سے مدینہ منورہ میں صحابیات کی درسگاہوں اور خواتین ے اشاعت علم کے جذبہ اور کردار کا بخوبی اندازہ گایا جاسکتا ہے۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں شریعت اسلامی کے مصادر کی حفاظت اور اشاعت کی ایک تحریک برپا تھی۔جس میں مردو خواتین دونوں سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے۔(مجلۃ العلماء جنوری۔مارچ ۲۰۱۳)

مجھے یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ میرے والد ماجد ہر سال نئے اور اعلیٰ بیج کی تلاش میں کیوں سر گرداں ہو جاتے ہیں، کیا وہ بیج جس کے ذریعہ پچھلے سال فصل تیار ہوئی تھی اسی اناج کو بطور بیج استعمال نہیں کیا جاسکتا، والد صاحب نے مجھے کبھی سمجھانے کی بھی کوشش نہیں کی کیونکہ انھیں ہماری لیاقت اور ہماری حالت کا بخوبی علم تھا وہ جانتے تھے کہ جس کو اپنے کھیت اور کھلیان کا علم نہ ہو، جس کو موسمی فصلوں کی واقفیت نہ ہو، جس کو چیزوں کی صحیح طور پر شناخت اور پہچان نہ ہو، جس کو مکئی اور چری میں امتیاز نہ ہو اس کو ایسے رازہائے سربستہ بتانے اور سمجھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اب جاکر پتہ چل سکا کہ بیج کی اپنی ایک اہمیت ہوتی ہے، بیج کی تیاریوں میں بہت سے دماغ لگتے ہیں، بیج کو بے شمار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، مختلف موسموں میں اس بیج پر ریسرچ اور جانچ پڑتال کر کے اس کے مفید اور غیر مفید اثرات اور ثمرات سے آگہی حاصل کی جاتی ہے تب کہیں جاکر وہ بیج مارکیٹ اور بازار میں بھیجا جاتا ہے اور وہی بیج کسان جب اپنی زراعت میں استعمال کرتا ہے تو زمین، موسم، حالات اور بارش و پانی کے اتفاقات سے جو فصل تیار ہوتی ہے وہ نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ مجھے اب سمجھ میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی بیاہ کے بارے میں ابتدائی حکم کیوں لگایا کہ تم ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو زیادہ بچے جننے

والی ہوں، مجھے اب اندازہ ہو سکا کہ طلبہ کی تعلیم و تربیت کے لئے کیوں تعلیم یافتہ کے ساتھ کیوں تربیت یافتہ استاذ کا ہونا ضروری ہے۔

شیخ سعدی شیرازیؒ بڑے کامل انسان تھے کیونکہ ان کو حضرت مولانا روم جیسا مرد کامل مل گیا تھا، حکیم الامت حضرت تھانویؒ ہی کو لے لیجئے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا شیخ الہند اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ جیسے اکابر واساطین کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنے کے نتیجہ میں حکیم الامت حکیم الامت ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ اس لئے اتنے عظیم محدث بنے کہ انھیں بخاری شریف کے محشی حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ جیسے اہل علم و نظر ملے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اس لئے ریحانۃ الہند بن کر مہکے اور چمکے کیونکہ انھیں حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی تربیت اور تعلیم کا بہترین حصہ اور موقع نصیب ہوا تھا۔ پتہ یہ چلا کہ جب کھیت بھی اچھا ہو، بیج بھی اچھا ہو، ماحول اور موسم بھی موافق ہو تو پھر جو فصل تیار ہوتی ہے وہ لاجواب ہوتی ہے۔

مکتب میں پڑھانے والے اساتذہ کا انتخاب بالکل اسی طرح ہونا چاہئے جس طرح بخاری شریف پڑھانے والے کا ہوتا ہے، مکتب کا معلم اگر اس کو اردو پر عبور نہ ہو، تصحیح قرآن کا ہنر نہ آتا ہو، تلفظ غلط ہو، تحریر خراب ہو، تقریر نہ آتی ہو، انشاء سے واقفیت نہ ہو، املا درست نہ ہو، اخلاق اچھے نہ ہوں، اخلاص اس کے اندر نہ ہو، ہمدردی اور رفق سے محروم ہو، خوددار اور غیور نہ ہو، حریص اور تملق پسند ہو، تمام طلبہ کو ایک آنکھ سے نہ دیکھتا ہو تو ایسا استاذ مکتب کے طلبہ کو ہر گز ہر گز صحیح تعلیم نہیں دے سکتا ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ ہمارے بیج اور ہماری جڑ کو شروع ہی سے خراب موسم کے حوالے کر دیا گیا، پانی کی جب ضرورت تھی تب محروم رکھا گیا اور جب ضرورت نہیں تھی جب پانی کی ریل پیل کر دی گئی، تربیت کا جو موسم تھا اس میں بے اعتنائی برتی گئی اور جب وقت نکل گیا تو پیار چھلک آیا، جب شفقت کی ضرورت تھی تب غصہ اور ڈنڈوں سے ان کی پیٹھ لال کر دی گئی اور جب بچے نے تعلیم کو تین طلاق دیدی تو اب قصور وار بچے کو گردانا گیا، جب مفردات پر دھیان دینا چاہئے تھا تب مرکبات میں لگا دیا گیا، جب پہاڑوں اور گنتیوں پر محنت کا وقت تھا تب دیگر امور میں الجھائے رکھا اور جب ان کی عمر میں پختگی آگئی تب ہوش آیا یہ صرف مثالیں ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ آپ کے مکتب میں اردو پڑھانے والا استاذ مولوی اسمٰعیل کے اردو قاعدے محنت سے پڑھاتا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان قاعدوں میں موجود مشکل الفاظ کے تلفظ پر بھرپور توجہ دیتا ہو، ہو سکتا ہے کہ دینی تعلیم کا رسالہ، اردو زبان کی پہلی کتاب کا سلسلہ، چمن اردو وغیرہ مکتب میں پڑھایا جاتا ہو لیکن کیا کبھی دھیان دیا گیا کہ اسی مکتب کا بچہ جب اگلی جماعتوں اور درجوں میں پہنچتا ہے تو وہاں فیل اور نکما کیوں ہو جاتا ہے کچھ تو ہے جو اس کمی کا باعث ہے۔

ہم سمجھتے ہیں پڑھائی ہوئی باتیں نہ کرو

طفل مکتب ہو تم اے جاں ابھی استاد ہیں ہم

ہمارے مکاتب میں عموماً بچوں پر رعب جھاڑا جاتا ہے، تپائی پر ڈنڈا مار مار کر بچوں کو ہراساں کر دیا جاتا ہے، بداخلاقی، سرد مہری، غصہ اور تیزی و تندی ختم نہیں ہوتی یہاں تک کہ مدرسہ اور مکتب کا وقت ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بچہ مکتب جاتے وقت رونے لگتا ہے، اسے ڈنڈے کی آواز پریشان کرتی ہے، اس کو استاذ کی ڈانٹ ڈپٹ ادھ موا کر دیتی ہے، بچے کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ لائن بدل لیتی ہے، سمجھنے کے بجائے الفاظ اور حروف کو رٹنے پر اکتفا کرتی ہے، استاذ اتنا ٹھپ ہوتا ہے کہ وہ یاد کر لینے کو ہی کافی سمجھتا ہے کبھی کوشش نہیں کرتا کہ بچے نے اپنے دماغ اور ذہن کے زور سے جو کچھ سنایا ہے وہ سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ ذہن الگ چیز ہے، فہم الگ چیز ہے، ذہن کے بعد کا مرحلہ فہم کا آتا ہے جس سے استاذ اور طالب علم دونوں محروم ہیں ایسی صورت میں ہمارا یہ بیج کیسا تیار ہوگا اندازہ کر سکتے ہیں۔ میر محمدی بیدار کے بقول:

مکتب میں تجھے دیکھ کسے ہوش سبق ہے

ہر طفل کے یاں اشک سے آلودہ ورق ہے

مہتمم صاحبان کو ان کلاسوں میں جانے کی نوبت نہیں آتی، کسی بچے کو بلا کر اس سے ان کے درجہ کی بابت پوچھ تاچھ کرنے کی توفیق نہیں ملتی، والدین تو خیر بالکل ہی مجرم ہیں جنھیں کبھی اپنے بچے کے مکتب میں جا کر تعلیمی احوال کو دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ والدین سمجھتے ہیں کہ بچہ وقت پر مکتب جاتا ہے اِس کا مطلب ہے سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے اور استاذ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے جتنی قلیل تنخواہ ملتی ہے اس کے حساب سے میری محنت کافی ہے، اسی سمجھا سمجھی میں جو نا سمجھی صادر ہوتی ہے اس کا خمیازہ ہماری نسل کو برداشت کرنا پڑتا ہے، ہماری پوری نسل اسی رویہ کی نذر ہو جاتی ہے اور ان کی اس محرومی پر کوئی بھی آنسو بہانے والا نہیں ہے۔ بقول جینا قریشی

ابھی طفل مکتب ہوں اور نااہل بھی

کدھر لے چلے امتحانوں کی جانب

جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تب کچھ لوگ استاذ کو قصور وار گردانتے ہیں، کچھ مکتب اور مدرسہ کے نظام کو ناقص بتاتے ہیں، کچھ نصاب پر انگلی اٹھاتے ہیں اور کچھ پورے سسٹم اور نظام کو لعنت ملامت کرتے دیکھے گئے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی نے ایک شعر بہت پیارا ارشاد فرمایا ہے:

خشت اول چوں نہد معمار کج

تا ثریا می رود دیوار کج

جب پہلی ہی اینٹ ٹیڑھی رکھ دی جائے گی تو آسمان تک دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی۔

معزز اساتذۂ کرام! آپ کو تنخواہ کتنی ملتی ہے کتنی نہیں یہ آپ کے ذاتی معاملات ہیں، قلت تنخواہ کا اثر بچوں کی تعلیم اور تربیت پر ہرگز نہیں پڑنا چاہئے مثال کے طور پر اگر تنخواہ قلیل ہو تو کوئی امام چار رکعت کی جگہ دو رکعت نہیں پڑھا سکتا، رقم کم ہو تو کوئی حاجی جدہ یا ممبئی سے ہی واپس نہیں آسکتا، بالکل اسی طرح جب آپ نے بچوں کی تعلیم و تربیت پر اپنی رضامندی اور آمادگی متہم کے سامنے ظاہر کر دی ہے تو اب آپ کام چوری کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ماخوذ ہوں گے کیونکہ یہ بھی امانت میں خیانت کے زمرے میں آتا ہے۔ کل کو اللہ تعالیٰ کے یہاں کام چوری کی بابت ضرور پوچھ ہو گی اور ہم سے وہاں کوئی جواب نہیں بن پڑے گا۔ الطاف احمد اعظمی خوب یاد آئے:

طفل مکتب کی نظر بھی کیا نظر

عقل تیری رہبری کو کیا کہیں

فضائل قرآن

مفتی محمد شمس الرحمن عثمان صاحب

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اوراس کی آخری کتاب ہے ۔قرآن مجیداللہ رب العالمین کا وہ کلام جو سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ خاتم النّبیین، سیّدالمرسلین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر تیئس سال کے طویل عرصہ میں بتدریج مختلف مقامات واحوال میں متنوع ضرورت وحکمت کے تحت اصلاً بنی نوع انسان اور تبعاً جن کی ہدایت اورآخرت کی فلاح ونجات کے لیے خالص عربی زبان میں نازل فرمایا گیا۔اللہ رب العزت کی ضعیف الخلقت اشرف المخلوقات حضرت انسان پر بے حد عنایت ومہربانی ہے کہ اُس نے اُن حروف واصوات میں جو کہ بشری صفات اور حادث ہیں اپنی صفتِ کلام کی تجلی فرمائی یعنی اپنی قدرت سے جلالتِ کلام کی حقیقت کو حروف کے لباس میں پوشیدہ کردیا ورنہ اس کے بغیر اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اس میں کلام الٰہی کے سننے کی ہرگز طاقت نہیں تھی۔امام غزالیؒ اپنی کتاب ''احیاءعلوم الدین'' میں قرآن مجید کی عظمت کو بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"پس جس طرح انسان کا جسم اس کی روح کے لیے لباس ومکان ہے اور روح کی تعظیم وتکریم کی وجہ سے جسد خاکی بھی قابل تعظیم ہوگیا،اسی طرح قرآنی حروف وآواز کی تعظیم بھی اس لیے واجب ہے کہ کلام الٰہی کانور اور حروف تجلی گاہ ہے۔"

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"واللہ خدا نے اپنے کلام میں تجلی فرمائی ہے جو مخلوق کے درمیان ہے لیکن لوگ اس کا مشاہدہ نہیں کرتے۔(احیاء:۱/۳۳۹)

نزولِ قرآن:

قرآن کریم کا تدریجی نزول اُس وقت شروع ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ماہِ رمضان کی ایک بابرکت رات لیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اس کے بعد حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔جس کی چند حکمتیں تھیں

(۱)حفظ آسان ہو۔

(۲)فہمِ معانی میں سہولت ہو۔

(۳)پورے کلام کا ضبط کرنا سہل ہو۔

(۴)لوگوں کے لیے عمل میں راحت ہو دشواری نہ ہو۔

(۵)شانِ نزول دیکھ کر معنی و مراد متعین کرنے میں اعانت ہو۔

(۶)ضرورت پر بروقت جواب ملنے سے پیغمبر اور مسلمانوں کے لیے باعثِ تسکینِ قلب ہو۔

(۷)ہر آیت کے نزول پر قرآن کا اعجاز اور عہدِ الست کی یاد تازہ ہو۔

(۸) بار بار حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تشریف آوری سے برکت کا نزول اور مسرت حاصل ہو۔(اتقان:۱/۵۶، فوائد عثمانی پ۱۹، بیان القرآن پ۱۵، پ۱۹)

قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں غارِ حرا میں اُتریں، وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں۔

جب سلسلۂ وحی بند ہوا تو اس وقت تک ہزاروں کی تعداد کم و بیش حصہ قرآن کے حافظ و قاری صحابہ میں موجود تھے اور کچھ خوش نصیب ایسے بھی ہیں جنھیں فاتحہ الکتاب سے والناس تک مکمل قرآن حفظ تھا اسی طرح مکمل قرآن پاک کی نقلیں بھی محفوظ تھیں(مناہل العرفان ۱/۲۴۵)

فضائل قرآن احادیث کی روشنی میں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے دن صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ، جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا، پس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔"(مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے؛ بلکہ الف (ا) ایک حرف ہے، لام (ل) ایک حرف ہے، میم (م) ایک حرف ہے۔ (ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قرآن کا ماہر جس کو خوب یاد ہو، خوب پڑھتا ہو، اُس کا حشر فرشتوں کے ساتھ قیامت کے دن ہو گا۔"(بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ ہو گی۔ اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو تو کیا گمان ہے تمہارا اُس شخص کے بارے میں جو خود اس پر عمل پیرا ہو؟!۔"(ابوداود)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قرآن کریم ایسی شفاعت کرنے والا ہے، جس کی شفاعت قبول کی گئی اور ایسا جھگڑا کرنے والا ہے کہ اس کا جھگڑا تسلیم کر لیا گیا، جو شخص اس کو اپنے آگے رکھے یعنی اس پر عمل کرے اس کو یہ جنت میں پہنچا دیتا ہے، اور جو اس کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دے یعنی اس پر عمل نہ کرے اس کو یہ جہنم میں گرا دیتا ہے۔ (صحیح ابن حبان)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

تم میں بہتر شخص وہ ہے جو قرآن پاک خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ (بخاری و مسلم، التبیان)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ

جو مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے، اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی لذیذ۔ اور جو مومن قرآن شریف نہ پڑھے اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ خوشبو بالکل نہیں؛ مگر مزہ شیریں ہوتا ہے اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے کہ خوشبو عمدہ اور مزہ کڑوا۔ اور جو منافق قرآن شریف نہیں پڑھتا اس کی مثال حنظل کے پھل کی سی ہے کہ مزہ کڑوا ہے اور خوشبو بالکل نہیں۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے لوگوں کا مرتبہ بلند کر دیتا ہے اور کتنی ہی لوگوں کو پست و ذلیل کرتا ہے۔ (مسلم بحوالہ التبیان)

آیات قرآنی کی فضیلت:

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے نہ تو تورات میں نہ ہی انجیل میں ام القرآن جیسی کوئی سورہ نازل فرمائی اور وہ سورۂ فاتحہ ہے۔ (ترمذی بحوالہ اتقان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

الحمدللہ رب العالمین (سورۂ فاتحہ) قرآن پاک میں سب سے افضل ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ

سورۂ فاتحہ ہر بیماری سے شفاء ہے۔ (کنزالعمال ۲۷۸/۱، بیہقی فی الشعب)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

ہر شئے کا ایک کوہان ہے قرآن کا کوہان سورۂ بقرہ ہے، جس نے گھر میں دن میں پڑھا تو تین دن تک شیطان گھر میں داخل نہیں ہوگا اور جس نے رات میں پڑھا تو تین رات تک شیطان اس کے گھر میں داخل نہیں ہوگا۔ (اتقان)

مسیب بن رافع کی مرسل روایت ہے کہ

سورۂ الم سجدہ قیامت کے دن آئے گی، اس کے دو بازو ہوں گے، اپنے پڑھنے والے پر سایہ فگن ہوگی اور کہے گی تم پر کوئی گرفت نہیں، تم پر کوئی گرفت نہیں۔ (اتقان ۱۹۶/۲ عن ابی عبید)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

جس شخص نے رات میں سورۂ دُخان پڑھی تو صبح اس حال میں کرے گا کہ ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کریں گے۔(ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ

ہر شے کا ایک دل ہے، قرآن کا دل یٰسین ہے جو شخص اُسے پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس قران کا ثواب لکھتے ہیں۔(ترمذی بحوالہ اتقان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے

جو شخص ہر رات سورۂ ملک پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھیں گے (ترمذی)

ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

میں چاہتا ہوں کہ سورۂ ملک ہر مؤمن کے دل میں ہو یعنی حفظ ہو۔(اتقان)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

مجھے آیتُ الکرسی عرش کے نیچے خزانہ سے دی گئی ہے اور مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔(کنزالعمال ۲۸۲/۱)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

جس شخص نے رات میں سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں وہ اس کے لیے کافی ہوں گی (یعنی پوری رات قرآن پڑھنے سے یا کفایت کرے گی جن و شیطان اور ہر قسم کی برائیوں سے۔(فتح الباری ۶۸/۹)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ

جس شخص نے آیت الکرسی اور خواتیم بقرہ (آمن الرسول سے آخر تک) کسی پریشانی کے وقت پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائیں گے۔(اذکار للنووی)

قرآن کریم و فرقان حمید کی چند سورتوں و آیات کی فضیلت آپ کے سامنے رکھی۔ان ذکر کردہ فضیلت سے اندازہ لگالیں کہ پورے قرآن کریم کی کیا فضیلت ہو گی۔رمضان المبارک کی مبارک ساعتیں شروع ہو چکی ہیں۔ان مبارک ساعتوں کو مزید

مبارک بنانے کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کریں، قرآن کو سیکھیں اور سکھائیں، قرآن کو اپنائیں، قرآن پر عمل کریں تو ان شاءاللہ العزیز یہ مبارک ساعتیں مزید مبارک ہو جائیں گی اور ان شاءاللہ یہ قرآن ہمارا قبر و حشر میں ساتھی بھی ہو گا۔

سب سے بہتر اور عقلمند

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا کہ آپ کے پاس ایک انصاری شخص آیا، اس نے آپ کو سلام کیا، پھر کہنے لگا: اللہ کے رسول! مومنوں میں سے کون سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ان میں سب سے اچھے اخلاق والا ہے، اس نے کہا: ان میں سب سے عقلمند کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ان میں موت کو سب سے زیادہ یاد کرے، اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے سب سے اچھی تیاری کرے، وہی عقلمند ہے۔

(سنن ابنِ ماجہ: 4259)

فجر:

”فجر کی دو سنتیں دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہیں۔“(سنن النسائی-1760)

ظہر؛

"جو شخص ظہر سے پہلے اور اس کے بعد چار چار رکعتوں کی پابندی کرے گا، وہ آگ پر حرام کردیا جائے گا۔“(سنن ابوداؤد #1269)

عصر؛

"جس نے عصر کی نماز چھوڑدی، اس کا نیک عمل ضائع ہوگیا"(صحیح البخاری#553)

"جس کی نماز عصر چھوٹ گئی گویا اس کا گھر اور مال سب لٹ گیا۔"(صحیح البخاری#552)

مغرب؛

”میری امت اس وقت تک دین فطرت (دین اسلام) پر قائم رہے گی، جب تک مغرب میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ ستارے خوب نکل آئیں۔“(سنن ابنِ ماجہ #689)

عشاء؛

"بے شک منافقوں پر فجر اور عشاء سب سے بھاری نمازیں ہیں"(مسند احمد-2455)

پانچ وقت کا پکا نمازی بننے کی موٹیویشن؛

”جس نے اللہ کی رضا کے لیے چالیس دن تک تکبیر اولی کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی تو اس کے لیے دو قسم کی برات لکھی جائے گی: ایک آگ سے برات، دوسری نفاق سے برات“(جامع ترمذی #241)

دعا ہے خلاق اعظم ہم سب کو پانچ وقت کا نمازی بنائے۔ آمین

خود کو اچھا ثابت کرنے لے لیے ہم لوگوں کی پیٹھ پیچھے برائی کرتے ہیں کہ فلاں خرابی ہے اس میں اور ایسا کرنے سے ہم اللہ کی نظر میں برے بن جاتے ہیں اور ہماری نیکیاں بھی اس شخص کے پلڑے میں چلی جاتی ہیں جس کی ہم نے برائی کی ہوتی ہے۔

تو ہم کیسے اچھے ہوئے اس میں ہمارا کیا فائدہ ہوا کیا ہم رب کی نافرمانی کر کے لوگوں کی نظروں میں اچھے بن سکتے ہیں اللہ پاک تو فرماتے ہیں

و تعزو من تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تشأ

بیشک عزت اور زلت اللہ کے ہاتھ میں ہے

کائنات کا وجود اور اس میں لحہ بہ لحہ ہونے والے تغیرات یہ سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر گواہی دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں کسی چیز کو بے کار نہیں بنایا۔ ہر چیز اپنی ذات میں کوئی نہ کوئی مقصد لیے ہوئے ہے، دن کو روشن بنایا تاکہ انسان اس میں اپنے معاش کا انتظام کر سکے، رات کو تاریک انسان کی راحت اور ذہنی سکون کے لیے بنایا، موسموں کا بدلنا، سردی، گرمی کا آنا جانا، ہواؤں کا چلنا، بارشوں کا برسنا، کھیتی کا اُگنا یہ تمام انتظامات انسان کی خدمت اور نفع رسانی کے لیے ہیں، جبکہ انسان کی تخلیق فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاريات: 56)

اللہ تعالیٰ نے انسان کے علاوہ کسی کو اشرف المخلوقات نہیں بنایا، اسی کو تمام مخلوقات سے افضل و اشرف بنایا، حتی کہ ان فرشتوں سے بھی افضل جو کہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف عمل ہیں، اور گناہ کا سوچتے بھی نہیں، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو محبوبیت کے درجہ سے سرفراز فرمایا، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں " ولقد کرمنا بنی آدم" کے خطاب کے ذریعے اپنی محبت کا اظہار فرمایا۔ بقول علامہ اقبال

فرشتہ مجھ کو کہنے سے مری تذلیل ہوتی ہے

میں مسجودِ ملائک ہوں مجھے انسان رہنے دو

اوران سب کے بدلے انسان سے صرف ایک چیز کا مطالبہ کیا کہ میری مان کر چلو،اور میرے قریب آجاؤ، جن اوامر کا میں نے حکم دیاان پر عمل کرواور جن منہیات سے منع کیاان سے باز رہو،اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خالق و مخلوق کے درمیان فاصلہ کم کرنے اور انسانیت کی ہدایت کے لیے یکے بعد دیگرے کئی انبیائے کرام مبعوث فرمائے،اوراس مبارک سلسلہ کی انتہاء ہمارے پیارے نبی،آقائے دوجہاں جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت پر ہوئی، تمام انبیائے کرام نے انسانوں کو رب تعالیٰ کے قریب کرنے اور حق کے راستہ پر چلنے کی دعوت دی،اورانسانیت کو جہالت کی پستیوں سے نکال کر حق کی روشنی مہیا کی،اور بلند اخلاقی اقدار اور بہترین حسن معاشرت کا نمونہ بن کر دکھایا۔

اس کے ساتھ ساتھ انبیائے کرام نے بندے کو اپنے رب کی محبت اور اس کی قربت کی اہمیت بتلائی،اوراس کو رب سے جوڑنے اور قریب کرنے کی محنت کی،اوراس قربت کے طریقے بھی بتلائے،اس سب کا مقصد یہ کہ بندے کا اپنے رب سے تعلق مضبوط ہواوراسے ہر لمحہ اور ہر آن رب تعالیٰ کی قربت میسر ہو،اوراسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی باقی مخلوقات کی بہ نسبت انسان کے لیے اپنی قربت کے بے تحاشا مواقع عطا فرمائے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں حضور ﷺ نے جابجا قربِ الٰہی کے طریقے سکھلائے ہیں،ان میں سے ایک طریقہ اور صالحین کا محبوب مشغلہ تہجد ہے، تہجد کے فضائل و فوائد قرآن کریم کی کئی آیات اور بہت سی احادیث مبارکہ میں ذکر کیے گئے ہیں، حتیٰ کہ بعض علماء نے تہجد کے فضائل میں مستقل تصانیف فرمائی ہیں۔

نماز تہجد کا مفہوم:

نمازِ تہجد جمہور مفسرین کے نزدیک ایسی نماز ہے جو رات کے آخیر پہر میں سوکر اٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔(معارف القرآن)

تہجد کی فضیلت واہمیت:

تہجد عظیم طاعات میں سے ہے اور قربِ خداوندی کا اہم ترین سبب ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین تہجد پر مداومت فرماتے تھے،رات کو مدینہ کی گلیوں میں صحابہ کرام کے قرآن پڑھنے کی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی سی

محسوس ہوتی تھی، پورے مدینہ میں تہجد کی فضاعام تھی، گھر کا ہر فرد تہجد میں اٹھنے کو لازمی سمجھتا تھا۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل کرنے والوں کے بارے میں متعدد آیات نازل فرمائی ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا (المزمل:6)

ترجمہ: بیشک رات کے وقت اٹھنا ہی ایسا عمل ہے جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے، اور بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے۔(آسان ترجمہ قرآن)

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا (الفرقان:64)

ترجمہ: اور جو راتیں اس طرح گزارتیں ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدے میں ہوتے ہیں، اور (کبھی) قیام میں۔ (آسان ترجمہ قرآن)

عبادات میں شب بیداری کا ذکر خصوصیت سے اس لیے کیا گیا کہ یہ وقت سونے، آرام کرنے کا ہے، عام طور پر اس میں نماز، ذکر وغیرہ میں مشغول ہونا طبیعت پر گراں گزرتا ہے، اس وقت کو اپنے رب کے حضور سجدہ و قیام کی حالت میں صرف کرنا نہایت محبوب عمل ہے، اس رات کے وقت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس وقت انسان کا قلب و ذہن تمام دنیوی کاموں سے فارغ ہو کر خالص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اسی طرح ایک مقام پر حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا:

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (السجدة:16)

ترجمہ: ان کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا ہوتے ہیں وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور امید (کے ملے جذبات) کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں اور ہم نے انکو جو رزق دیا ہے، وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔(آسان ترجمہ قرآن)

بلا حساب و کتاب جنت میں داخلہ:

آخرت سخت ترین مراحل میں سے ایک اہم مرحلہ ہے، رب تعالیٰ کے حضور حساب دینا اور نامہ اعمال کا ملنا ہے، اور جس شخص سے ان اعمال کے متعلق پوچھ ہو گئی تو اس کے حق میں معاملہ سخت ترین ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ

فرمائے اور حساب یسیر نصیب فرمائے، لیکن اس کٹھن مرحلہ کو چند لوگ بہت عمدگی سے طے کرلیں گے ان خوش نصیبوں میں سے ایک تہجد گزار ہوں گے، چنانچہ حضرت اسماءبنت یزید سے مروی ہے فرمایا:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يحشر الناس في صعيد واحد يوم القيامة فينادي مناد، فيقول: أين الذين كانت {تتجافى جنوبهم عن المضاجع} فيقومون،وهم قليل يدخلون الجنة بغير حساب ثم يؤمر بسائر الناس إلى الحساب) (الجامع لشعب الايمان لامام البيهقي ،رقم الحديث:٢٩٧٤،باب:تحسين الصلاة،والاكثار منها ليلا ونهارا وما حضرنا عن السلف الصالحين فی ذالک ،كتاب: الصلاة ص٤/٥٣٨،ناشر: مكتبه الرشد ،ط: الطبعة الاولی۔)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن تمام انسانوں کو ایک ہی میدان میں جمع کیا جائے گا، پھر ایک فرشتہ پکارے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے تھے (تہجد گزار افراد) تو وہ لوگ کھڑے ہوں گے۔ اس حال میں کہ وہ تھوڑے سے ہوں گے، بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، پھر دیگر تمام لوگوں کے حساب کا حکم دیا جائے گا۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رات کو اپنے تھکے ماندے جسم کو نرم و نازک بستر سے جدا کرکے اپنے رب کے حضور حاضری دینے کا عمل اللہ کو اتنا محبوب ہے کہ اسکے بدلے قیامت کے سخت ترین دن میں یعنی جس دن ہر نفس کی زبان پر نفسی نفسی کی پکار ہوگی بلا حساب وکتاب جنت میں داخلے کی بشارت ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تہجد گزار حساب شروع ہونے سے پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔

سب سے افضل نماز:

ویسے تو خدا تعالی کے حضور جذبہ اخلاص سے سرشار ہوکر کی جانے والی ہر عبادت افضل ہے، لیکن بعض اعمال کی افضلیت لسان نبوت سے ثابت ہے انہی اعمال میں ایک تہجد کی نماز ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(أفضل الصلاة،بعدالفريضة، صلاة الليل) (صحيح المسلم، رقم الحديث: 1186، باب: فضل صوم المحرم، ص:519، دار التأصِيل،ط:الطبعة الأولى2018)

ترجمہ: فرض نمازوں کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی نماز رات کی نماز (تہجد) ہے

تہجد دنیاومافیہاسے افضل نماز:

تہجد صرف افضل عبادت ہی نہیں بلکہ جو لمحات اس مبارک نماز میں صرف ہو جائیں وہ دنیا کے حسین ترین اور قیمتی لمحات بن جاتے ہیں، چنانچہ حضرت حسان بن عطیہ حضور ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں:

(قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ركعتان يركعهما العبد فى جوف الليل خير له من الدنيا وما فيها، ولو لا أن أشق على أمتى لفرضتها عليهم)(اخرجه ابن المبارك فی كتاب الزهد ، رقم الحديث: 1289، باب فضل ذكر الله عز و جل، ص: 456، دار الكتب العلميه۔)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو رکعات جنہیں بندہ درمیان رات کو پڑھتا ہے، اس کے لیے دنیاومافیہا (جو کچھ اس میں ہے) سے بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان پر وہ (تہجد) فرض کر دیتا۔

معزز ترین لوگوں کا وظیفہ:

تہجد کی نماز جہاں اخروی فوائد سے مالا مال ہے، وہیں دنیا میں بھی باعث عزت و فخر ہے، لہذا تہجد کی پابندی کرنے والے آخرت میں موجب جزاء کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی باعث عزت و فخر ٹھہرائے گئے۔

چنانچہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے تہجد گزاروں کو امت کے شرفاء قرار دیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"أشراف أمتى حملة القرآن وأصحاب الليل"(المصنف لابن أبي شيبه،رقم الحديث: 26257 باب ما قالوا في إفشاء السلام، كتاب الادب، ص: 194،ج:13، ناشر:ادارةالقرآن والعلوم الإسلاميه، ط:الطبعة الثانيه۔۲۰۰۷)

ترجمہ: میری امت کے شرفاء حاملین قرآن اور تہجد گزار لوگ ہیں۔

حضرت معافی بن عمران کا قول ہے:

" عز المؤمن استغناؤه عن الناس ،وشرفه قيامه بالليل ۔(البيهقى في شعب الاِيمان، باب التوكل بالله عز وجل والتسلِم،رقم الحديث :2977،ص:3/170،ط: دار الكتب العلمية)

ترجمہ: مومن کی عزت لوگوں سے استغنا برتنے میں ہے، اور اس کا شرف رات کو قیام کرنے میں ہے۔

نفیس شیشے کا محل:

شب بیداری اور سحر خیزی جس طرح جس طرح قربت الٰہی کا ذریعہ ہے اسی طرح بہت سی دنیوی اور اخروی نعمتوں کا سبب بھی ہے، اخروی نعمتوں میں سے ایک نعمت جنت میں نفیس شیشے کا محل ہے جو خاص ان لوگوں کے لیے جو راتوں کو اپنی لو سے روشن کرتے ہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا تُرَى ظُهُورُهَا مِنْ بُطُونِهَا ، وَبُطُونُهَا مِنْ ظُهُورِهَا ، فَقَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ : لِمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ ؟ قَالَ : هِيَ لِمَنْ قَالَ طَيِّبَ الْكَلَامُ ، وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ ، وَأَفْشَى السَّلَامَ ، وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔(البيهقي فِي شعب الايمان ،رقم الحديث:٢٩٧٨، باب:تحسين الصلاة،والاكثار منها ليلا ونهارا وما حضرنا عن السلف الصالحين فی ذالک ،كتاب: الصلاة ،ص٤/٥٤٠)

ترجمہ: حضرت علی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کے اندر سے باہر کا نظارہ ہوتا ہے، اور باہر سے اندر دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ سن کر ایک اعرابی اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ کن لوگوں کے لیے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اس شخص کے لیے ہوں گے جو اچھی باتیں کرے، کھانا کھلائے، پابندی سے روزے رکھے اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھے، جس وقت دوسرے لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

تہجد کے بارے میں حضور ﷺ کا تاکیدی حکم:

قیام اللیل کی اہمیت میں حضرت عائشہ کا فرمان:

»عن عبد الله بن أبي موسى قال: قالت عائشة رضى الله عنها: لا تدع قيام الليل: فإنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يدعه،وكان اذا كسل أو ملّ صلى جالساً» (البيهقي فِي شعب الايمان ،رقم الحديث:٢٩٣٥، باب: تحسين الصلاة،والاكثار منها.... ،كتاب: الصلاة ،ص٤/٥٢٤.)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی موسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ نے فرمایا: قیام اللیل یعنی رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا مت چھوڑنا؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسے ترک نہیں کرتے تھے، اور جب تھک جاتے یا اکتاہٹ محسوس کرتے تو بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔

عن قتادة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا بد من قيام الليل ولو قدر حلب شاة"(كتاب التهجد وقيام الليل للامام ابی بکر ابن ابی الدنیا (ت ۲۸۱)، رقم:15 ، ص: ۱۱۹، ناشر:مکتبه الرشد)

ترجمہ: حضرت قتادہ حضورﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ قیام اللیل یعنی رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا ضروری ہے، اگرچہ بکری دوہنے کے بقدر تھوڑی دیر کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت تمیم داری اور تہجد:

نبی کریمﷺ کی تہجد کے متعلق تعلیمات اس قدر عام تھیں کہ اس وقت چھوٹا، بڑا، مرد و عورت، آزاد و غلام ہر کوئی تہجد کی پابندی کرتا تھا، اور اس کے فوت ہو جانے کو زندگی کا ضیاع خیال کرتا تھا، چنانچہ حضرت تمیم داری سے ایک مرتبہ تہجد کی نماز فوت ہو گئی تو سزا کے طور پر پورا سال رات کو قیام فرمایا۔

(عن منكدر ابن محمد ،عن أبيه، أن تميما الداري نام ليلة لم يقم يتهجد فيهاحتى أصبح، فقام سنة لم ينم فيها عقوبة للذي صنع)(سنن ابی داود ،رقم الحديث :۱۳۰۷، باب:قیام اللیل، کتاب الصلاۃ ، ص:73، جلد:2)

ترجمہ: حضرت تمیم داری ایک مرتبہ رات کو سوتے رہے، تہجد کے لیے نہ اٹھ سکے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، پھر اس عمل کی سزا کے طور پر پورا سال رات کو قیام کیا، ایک بار بھی نہیں سوئے۔

شیوہ صالحین:

عن أبي أمامة الباهلي، "عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: «عليكم بقيام الليل فإنه دأب الصالحين قبلكم، وهو قربة لكم إلى ربكم، ومكفر للسيئات، ومنهاة عن الإثم» هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه" (مختصر قیام اللیل للمروزی، ص:95 ،ناشر: حدیث اکادمی فیصل آباد)

ترجمہ: رات کو قیام کرو؛ کیونکہ وہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے، یہ تمہارے لیے اپنے رب کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، برائیوں کا کفارہ ہے اور گناہوں کے لیے رکاوٹ ہے۔

تہجد رضاء الٰہی کا سبب:

عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: " إِنَّ اللَّهَ لَيَضْحَكُ إِلَى رَجُلٍ قَامَ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ وَأَهْلُهُ نِيَامٌ لَا يَرَاهُ إِلَّا اللَّهُ فَتَطَهَّرَ، وَذَكَرَ اللَّهَ، وَصَلَّى، فَيَقُولُ: انْظُرُوا إِلَى عَبْدِي هَذَا لَوْ شَاءَ أَنْ يَنَامَ

كَمَا نَامَ أَهْلُهُ فَيَضْحَكُ اللَّهُ إِلَيْهِ "(مستدرك حاكم ،امام ابو عبدالله محمد بن عبدالله الحاكم النيسابورى ، كتاب صلاة التطوع ، باب تحريض قيام الليل ، رقم الحديث: 1197، ص: 1/613، ن: دار المعرفه بيروت ،ط: الطبعة الاولى 1998۔)

ترجمہ:اللہ تعالیٰ اس آدمی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں جو آدھی رات کو اٹھے،اس حال میں کہ اس کے گھر والے سوئے ہوئے ہوں۔ اللہ کے علاوہ اس کو کوئی نہ دیکھ رہا ہو، پھر وضو کر کے اللہ کا ذکر کرے اور نماز پڑھے۔اللہ تعالیٰ فرشتوں سے (اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے) فرماتے ہیں: میرے اس بندے کو دیکھو! اگر چاہتا تو سویا رہتا جیسے کہ اس کے گھر والے سوئے ہوئے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر کرم فرماتے ہوئے خوش ہوتے ہیں۔

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ثلاثة يضحك الله إليهم: الرجل يقوم من الليل، والقوم إذا صفوا للصلاة، والقوم إذا صفوا للقتال "۔(مسند الامام احمد بن حنبل ، رقم الحديث:11761 ،مسند ابى سعيد الخدرى ، ص: 284 ،ج:18 ،الناشر: مؤسسة الرسالة ، ط: الطبعةالثانية 2008۔)

ترجمہ:ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین قسم کے لوگوں پر اللہ خوش ہوتا ہے: وہ آدمی جو نماز تہجد پڑھتا ہے، وہ لوگ جو نماز کے لیے صف بندی کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو دشمن کے خلاف لڑنے کے لیے صف بندی کرتے ہیں۔

ایک حدیث مبارک میں حضور سرور کائنات ارشاد فرماتے ہیں:

عن عمرو بن عبسة، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم، يقول: أقرب ما يكون الرب من العبد في جوف الليل الآخر، فإن استطعت أن تكون ممن يذكر الله في تلك الساعة فكن(سنن الترمذى، أبواب الدعوات، رقم الحديث: 3579 ،5 :462 ،دار الغرب الاسلامي، س: 1998ھ)۔وقال الترمذي هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه۔

ترجمہ: عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: اللہ اپنے بندے کے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے۔ اگر تو طاقت رکھے تو ان لوگوں میں سے ہو جا جو اللہ کا ذکر اس گھڑی میں کرتے ہیں۔

متہجدین کو فرشتوں کا رشک بھری نظر سے دیکھنا:

(أن كعب قال:إن الملائكة ينظرون من السمآء إلى الذين يصلون بالليل في بيوتهم كما تنظرون انتم إلى نجوم السمآء)(ألأثر ذكره إبن الجوزِي في صفة الصفوة، باب: كعب الأحبار بن ماتع، ص: 367، الجزء: 2، دارالحديث القاهرة .)

ترجمہ: حضرت کعب   فرماتے ہیں کہ جو لوگ رات کو اٹھ کر گھروں میں نماز پڑھتے ہیں، فرشتے ان کو آسمان سے اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔

معصیت سے حفاظت:

تہجد کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک خصوصیت معصیت سے حفاظت بھی ہے

عن أبي هريرة، قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إن فلانا يصلي بالليل، فإذا أصبح سرق قال: " إنه سينهاه ما تقول۔(مسند احمد، مسند ابی ہریرة، رقم الحديث: 9776، ص: 483/15)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ فلاں آدمی رات کو نماز پڑھتا ہے اور دن کو چوری کرتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا عنقریب اس کی نماز و تلاوت اسے اس کام سے روک دے گی۔

(عن أبي بكر بن عياش يقول: من قام من الليل لم يأت فاحشة، ألا تسمع إلى قول الله:"إن الصلٰوة تنهى عن الفحشاء والمنكر)(كتاب التهجد وقيام الليل للإمام أبي بكرابن أبي الدنيا (ت ٢٨١)، ص: 419، مكتبه الرشد الرياض .)

ترجمہ: جس نے رات کو قیام کیا وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب نہیں کرے گا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے۔

(اگر وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرتا بھی ہے تو عنقریب نماز اس کو اس کام سے روک دے گی)۔

تہجد، خیر کا دروازہ:

اور ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

قال:ألا أدلك على أبواب الخير؟الصوم جنة ،والصدقة تطفئ الخطيئة، وصلاة الرجل في جوف الليل ثمّ قرأ: {تتجافى جنوبهم عن المضاجع} (السجدة: 16) ، حتى بلغ، {يعملون} (السجدة: 17)(مسند الامام احمد بن حنبل ،رقم الحديث:22016،مسندالانصار، حديث معاذ بن جبل ،ص:344/63)

ترجمہ: میں تمہیں خیر کے دروازے نہ بتادوں؟ روزہ ڈھال ہے صدقہ گناہوں کو بجھادیتا ہے اور آدھی رات کو انسان کا نماز پڑھنا باب خیر میں سے ہے پھر نبی کریم ﷺ نے سورت سجدہ کی یہ آیت تلاوت فرمائی "تتجافی جنوبھم عن المضاجع، آخر تک۔ یعنی ان کے پہلو اپنے بستروں سے جدا رہتے ہیں" سے مرادرات کے وقت انسان کا تہجد کے لئے اٹھنا ہے۔

تہجد چھوڑنے پر اظہار ناراضگی:

"عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لا تكن يا عبد الله مثل فلان، كان يقوم الليل فترك قيام الليل"۔(سنن النسائی ، كتاب: قيام الليل وتطوع النهار ،باب: ذم من ترک قيام الليل ، رقم الحديث: 1763 ، جلد: 3-4، ص: 281، الناشر:دار المعرفة، ط: الطبعة الثالثة 1414ھ)

ترجمہ: عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ! فلاں کی طرح مت ہو جانا، پہلے وہ قیام اللیل کرتا تھا (تہجد پڑھتا تھا)، پھر اس نے چھوڑ دیا۔

چہرے کی رونق کا سبب:

متعدد دنیوی فوائد میں سے اہم فائدہ یہ ہے کہ تہجد دلی اطمینان کا باعث اور پُر نور چہرے کا ضامن ہے،

"عن اسماعيل بن مسلم قال: قِيل للحسن: ما بال المتهجدين من أحسن الناس وجوها؟ قال: لأنهم خلوا بالرحمان فالبسهم من نوره نورا"۔(اخرجه المروزى فى قيام الليل، المختصر ص 45)

ترجمہ: اسماعیل بن مسلم کہتے ہیں کہ حضرت حسن سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ تہجد گزار لوگوں کے چہرے تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں۔ فرمایا: کیونکہ انہوں نے رحمن کے ساتھ خلوت اور علیحدگی اختیار کی تو اس نے اپنا نور انہیں پہنایا۔

تہجد شہوات نفسانی کا توڑ:

شب بے داری کا اہم ترین فائدہ یہ بھی کہ اس سے جذبہ شہوت اور نفسانی خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جاتا ہے، کیوں کہ جو شخص بدنی راحت ترک کر کے خدا تعالیٰ کے حضور کھڑا ہو سکتا ہے یقیناً وہ نفسانی خواہش اور شہوت رانی کے تقاضے کرنے سے روکنے اور اسے قابو کرنے پر قادر ہو جاتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عن عبد الله بن عمرو، قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله ائذن لي أن أختصي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " خصاء أمتي

الصيام والقيام "(مسنداحمد، مسند عبدالله ا بن عمرو، رقم الحديث: 6612، ص:7183/11)

ترجمہ: حضرت ابن عمروؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا یارسول اللہ مجھے اپنے آپ کو مردانہ صفات سے فارغ کرنے کی اور اپنے غدود کو دبانے کی اجازت دے دیجئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری امت کا غدود دبانا (خصی ہونا) روزہ اور قیام (تہجد) ہے۔

اللہ رب العزت ہم سب کو تہجد کا اہتمام نصیب فرمائے۔ آمین

رمضان المبارک بابرکت مہینہ ہے، رمضان المبارک ایمان و تقویٰ کا مہینہ ہے، رمضان المبارک کو رب تعالیٰ نے اپنا مہینہ ارشاد فرمایا ہے۔ رمضان المبارک میں انسان کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے رب کریم سے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو دوبارہ جوڑ سکے۔ رمضان المبارک میں رحمت خداوندی کا دریا موجزن ہوتا ہے۔ رمضان المبارک روحانیت میں ترقی، نورانیت میں اضافی، اجر و ثواب میں زیادتی اور دعاؤں میں قبولیت کا مہینہ ہے۔ رمضان المبارک میں کسی سائل کو خالی ہاتھ، کسی امیدوار کو ناامید اور کسی طالب کو ناکام و نامراد نہیں لٹایا جاتا، بلکہ رمضان المبارک میں ہر شخص کے لیے رب کریم کی طرف سے رحمت، بخشش و جہنم سے آزادی کی صدائے عام دی جاتی ہے۔ سال بھر کے مہینوں میں رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے جس کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں آتا ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

’’شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ۔‘‘ (البقرۃ:آیت:۱۸۵)

’’رمضان وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے راہنمائی، ہدایت اور حق و باطل میں تمیز کرنے کا ذریعہ ہے، پس جو کوئی یہ (مبارک) مہینہ پائے اُسے چاہیے کہ وہ اس کے روزے رکھے۔‘‘

تقویٰ کا معنی ہے: نفس کو برائیوں سے روکنا اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ روزہ ہے، جیسا کہ ایک صحابیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے کسی ایسے عمل کا حکم دیجیے جس سے حق تعالیٰ مجھے نفع دے''، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''علیک بالصوم، فإنهٗ لامثل لهٗ'' (سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۴۰)

'یعنی روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی عمل نہیں۔''

حدیث مبارکہ میں رمضان المبارک کے تین عشرے بتلائے گئے ہیں اور یہ تینوں عشرے تین مختلف خصوصیات کے حامل ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''رمضان کا پہلا عشرہ رحمت کا ہے، دوسرا عشرہ مغفرت کا اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے۔''(صحیح ابن خزیمہ، حدیث:1780)

رمضان المبارک کا پہلا عشرہ یکم رمضان المبارک تا دس رمضان المبارک اس عشرہ کو رحمت کا عشرہ کہتے ہیں۔ دوسرا عشرہ دس رمضان المبارک تا بیس رمضان المبارک اس عشرہ کو مغفرت کا عشرہ اور تیسرا عشرہ بیس رمضان المبارک تا انیتس یا تیس رمضان المبارک ہوتا ہے جسے جہنم سے آزادی کا عشرہ کہا جاتا ہے۔

رمضان المبارک میں ہر مسلمان کو کثرت سے دعا کا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ یہ مہینہ دعاؤں کی قبولیت کا مہینہ ہے جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''رمضان المبارک کی ہر دن اور رات میں ہر مسلمان کی ایک دعا قبول کی جاتی ہے۔''(مسند احمد:744)

رمضان المبارک ہی وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالی نے قرآن مجید و فرقان حمید کو نازل فرمایا یعنی شبِ قدر میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر مکمل قرآن کریم کا نزول ہوا، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

''إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاکَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔'' (القدر:۵-۳)

”بلاشبہ ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا،اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شبِ قدر کیسی چیز ہے؟شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے،اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر معاملہ لے کر حاضر ہوتے ہیں،یہ رات سراسر سلامتی ہے،وہ یعنی اس کی خیر و برکت صبح طلوعِ فجر تک رہتی ہے۔“

گویا رمضان اور قرآن کریم دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے کہ قرآن رمضان میں آیا تو رمضان کا تذکرہ قرآن کریم میں آیا،اس لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ : رمضان اور قرآن کا جسم اور روح کا سا تعلق ہے۔رمضان جسم ہے تو قرآن کریم روح ہے:

ماہِ صیام تیرا کیوں نہ ہو احترام

کہ نازل ہوا تجھ میں اللہ کا کلام

رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک انسان کوشش کرے تو ایک رمضان سارے گناہ بخشوانے کے لیے کافی ہے،جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور یہ یقین کر کے رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے سچے ہیں اور وہ تمام اعمالِ حسنہ کا بہترین بدلہ عطا فرمائے گا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”من قام رمضان إیمانًا واحتسابًا غفرلہٗ ماتقدم من ذنبہٖ وماتأخر۔“ (المؤطا بروایة محمد بن الحسنؒ)

”جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے رمضان میں قیام کرے گا(یعنی تراویح اور نوافل وغیرہ پڑھے گا)اس کے پچھلے اور اگلے سب (صغیرہ)گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔“

ایمان اور احتساب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدوں پر یقینِ کامل ہو اور ہر عمل پر ثواب کی نیت اور اخلاص وللّٰہیت اور رضائے الٰہی کا حصول پیشِ نظر ہو۔

رمضان المبارک میں انسان کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے وہ تلاوت قرآن کرے،اللہ کو راضی کرے،اللہ کی خوشنودی حاصل کرے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو اپنائے،اور اس ماہ مبارک میں سخاوت کرنے کی کوشش کریں،کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں سخاوت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ :

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے،اور یہ سخاوت رمضان المبارک میں مزید بڑھ جایا کرتی تھی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام رمضان المبارک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لیے مہینہ کے اختتام تک آیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کو قرآن مجید سنایا کرتے تھے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تو اس وقت نیکیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت آندھی سے بھی زیادہ تیز ہو جایا کرتی تھی۔"(صحیح مسلم:6149)

اسی لیے غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ ایثار اور ہمدردی کا معاملہ کیا جائے،ان پر سخاوت کی جائے، یہ اس لیے کہ ایک تو ان کا حق ہے اور دوسرا اس لیے کہ صدقہ و خیرات کرنے سے ممکن ہے کہ اللہ کے کسی بندے کا دل خوش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور ہمارا مقصد پورا ہو جائے۔ یا ہو سکتا ہے ہماری عبادت، ہماری تلاوت، ہماری نمازوں میں کوئی کمی رہ گئی ہو یا اس قابل نہ ہوں کہ وہ قبولیت کا مقام حاصل کر سکیں تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمالیں،اس لیے اس ماہ میں ہمیں پوری طرح خیرات و صدقات کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

رمضان المبارک میں انسان کی مغفرت کے بہت سارے مواقع موجود ہوتے ہیں،بہت سے ایسے لمحات ہیں جس میں انسان کی مغفرت کی جاتی ہے۔ جہنم سے آزادی کا پروانہ مل سکتا ہے۔اس لیے رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں،اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہو کر ندامت کے آنسو بہائیں،اپنی غلطیاں اور خطاؤں پر معافی کے طالب ہوں،ان شاءاللہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں گے۔جو انسان رمضان المبارک کا مہینہ پالے اور اپنی مغفرت نہ کرا سکے اس کے لیے حدیث مبارکہ میں سخت وعید آئی ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"منبر کے پاس جمع ہو جاؤ،ہم سب منبر سے قریب جمع ہو گئے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کی پہلی سیڑھی پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا:آمین۔جب دوسری سیڑھی پر قدم مبارک رکھا تو پھر فرمایا:آمین۔جب تیسری سیڑھی پر قدم مبارک رکھا تو پھر فرمایا:آمین۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ : یارسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!ہم نے آج آپ سے (منبر پر چڑھتے ہوئے)ایسی بات سُنی جو پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:میرے پاس جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تھے جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:ہلاک و برباد ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مبارک مہینہ پائے،پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہو،میں نے کہا:آمین۔پھر جب

میں منبر کی دوسری سیڑھی پر چڑھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہوا اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین۔ جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پائے اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو جائے۔ میں نے کہا: آمین۔" (مستدرک حاکم علی الصحیحین، کتاب البر والصلہ: 7256)

اس رمضان المبارک کو گزشتہ رمضان المبارک سے ممتاز کرنے کی کوشش کریں، نہ معلوم کہ اگلا رمضان نصیب ہو یا نہ اس لیے اس رمضان المبارک کو قیمتی بنائیں اور نیکیاں سمیٹنے کی کوشش کریں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ پاک اس رمضان المبارک کو گزشتہ رمضان المبارک سے ممتاز کرنے کی توفیق عطا فرمائے، رمضان المبارک کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، نیکیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے، عبادات کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اپنی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم سب کی مغفرت فرمائے اور اس رمضان کو ہمارے لیے باعث نجات بنائے۔ آمین ثم آمین

اللہ ہی کیلئے محبت!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ ہی کے رضا کے لیے محبت کی، اللہ ہی کے رضا کے لیے دشمنی کی، اللہ ہی کے رضا کے لیے دیا، اللہ ہی کے رضا کے لیے منع کر دیا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

(سنن ابوداؤد-4681)

نیکیاں اونچی بنالو سودے سستے کر لو سب
توبہ استغفار کر کے سیدھے رستے کر لو سب
دیکھو کتنا خوبصورت رب کا مہماں آ گیا
دیکھو کتنی شان والا ماہ رمضاں آ گیا

کیا تجارت کا منافع کیا کمائی دام کی
دنیا کی دولت اے بندے کتنے دن کے کام کی
چھوڑ دو بازار حسرت حسرتِ جاں آگیا
دیکھو کتنی شان والا ماہ رمضاں آگیا

روزہ داروں کے لیے یہ جاں بچھا دستر بچھا
جس طرح خد مت بنے پانی پلا کھانا کھلا
لمحہ لمحہ نیکوں کا دست و داماں آگیا

دیکھو کتنی شان والا ماہ رمضاں آگیا
دنیاداری ،دنیاداری کرکے تو پچھتائے گا
کیا خبر یہ زندگی میں پھر مہینہ آئے گا
توبہ کرلے وقت ہے بخشش کا ساماں آگیا
دیکھو کتنی شان والا ماہ رمضاں آگیا
گڑ گڑانے کا ہے موقع گڑ گڑا کے مانگ لو
سر جھکاکے مانگ لو اور دل بچھاکے مانگ لو
مانگ لورُو رُوکے دیکھو وہ مہرباں آگیا
دیکھو کتنی شان والا ماہ رمضاں آگیا
سُونے والے جاگ سحری کا مزہ دیکھ لے
کر کے افطاری تراویح کا مزہ دیکھ لے
قدر کرنہ یاب تحفہ مسلماں آگیا
دیکھو کتنی شان والا ماہ رمضاں آگیا

اللہ کی یاد میں آنسو بہنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا؛سات طرح کے لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں پناہ دے گا۔(ان میں)ایک وہ شخص بھی ہے جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیاتواس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

(صحیح بخاری:6479)

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد انسانوں میں سب سے افضل ترین شخصیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم میں اللہ نے سچائی کی تائید کرنے والا اور حق و سچ کا پیکر قرار دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں خلیفۂ عادل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ : میں ان کے مقام و مرتبہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی امامت تفویض فرمائی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زندگی کے حوالے سے چند معروضات پیش کرتا ہوں۔

نام و نسب:

جانشین رسول اکرم ﷺ، خلیفہ بلا فصل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نام گرامی ''عبداللہ'' تھا۔آپؓ کی کنیت ''ابو بکر'' تھی۔ والد کا نام "عثمان" اور کنیت "ابو قُحافَہ" تھی۔ والدہ کا نام "سلمٰی" اور کنیت "ام الخیر" تھی۔

والد کی طرف سے "مرۃ بن کعب" پر جاکر سلسلہ نسب جناب نبی کریم ﷺ کے سلسلہ نسب سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قریش کی شاخ "تیم" سے تعلق رکھتے تھے۔

آپؓ ابو قحافہ کے گھر میں عام الفیل کے دو سال چھ ماہ بعد ۵۷۳ء کو پیدا ہوئے۔

آپؓ واحد صحابی ہیں مہاجرین میں سے جن کے والدین نے اسلام قبول کیا اور جن کی چار نسلوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہی نہیں کی، بلکہ سبھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

لقب:

آپؓ کے لقب صدیق اور عتیق قرار پائے آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر لمحہ اور ہر گھڑی تائید و نصرت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت اور سفرِ معراج پر سب سے پہلے تصدیق و گواہی آپؓ نے دی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق و سچ کی تائید کرنے کا لقب (صدیق) عنایت فرمایا۔

قبول اسلام:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد تجارتی سفر سے واپسی پر جونہی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ آپ کے قریبی ساتھی و دوست محمد بن عبداللہ نے اعلانِ نبوت کیا ہے تو آپؓ فوراً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ کیا آپ نے اعلانِ نبوت کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اثبات میں جواب ملتے ہی آپؓ بغیر کوئی دلیل مانگے مشرف باسلام ہو گئے۔

شانِ صدیق اکبرؓ قرآن میں:

قرآن میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ سورۂ آل عمران، سورۃ اللیل، سورۃ التوبہ، سورۃ الزمر اور سورۃ الفتح میں ہوا ہے، جن میں آپؓ کے مناقب بیان ہوئے ہیں کہ سفرِ ہجرت کے موقع پر آپؓ دشمنوں کے غارِ ثور کے دہانے پر پہنچنے کی وجہ سے حزین و غمگین ہوئے اور کہنے لگے کہ: اگر دشمن نے ہمارے قدموں کو دیکھ لیا تو پہچان لیں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟ امتیازی بات یہ ہے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ **"لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"** کا ارشاد ہوا، مطلب یہ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنا خوف اور اپنی فکر نہیں تھی، بلکہ پریشان تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تھے کہ کہیں دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان نہ پہنچا دے۔

شانِ صدیق اکبر بزبانِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اُحد پہاڑ پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ موجود تھے، پہاڑ لرزنے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تھم جا! تجھ پر نبی و صدیق اور دو شہید موجود ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقامِ امتیازی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''صدیقؓ سے محبت مومن کرے گا جبکہ نفرت منافق رکھے گا۔'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: ''میں نے دنیا میں تمام محسنوں کے احسانات کا بدلہ اُتار دیا، جبکہ صدیقِ اکبرؓ کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔'' رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ: ''ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جنت کے تمام بڑی عمر کے لوگوں کے سردار ہوں گے ماسوائے انبیاء کے۔''

آپؓ کی دعوت پر اسلام لانے والے صحابہؓ:

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دعوت پر حضرت عثمانؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپؓ نے قبولِ اسلام کے بعد جان و مال سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ دشمنانِ اسلام ابو بکر صدیقؓ کے چنگل میں پھنسے مظلوم مسلمان مؤذنِ رسولؐ بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہ، زنیرہؓ، عامر بن فہیرہؓ، ام عبیسؓ وغیرہ مسلم غلاموں کو مشرکین کی قید سے نجات دلانے کے لیے فدیہ ادا کیا۔

فتنوں کی سرکوبی:

وفاتِ نبوی کے بعد جب آپؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا تو بہت سے خطرناک فتنوں نے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ کہیں فتنۂ ارتداد پیدا ہو گیا تو کہیں منکرینِ زکوٰۃ نے اسلام کے بنیادی فریضے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اسی طرح جھوٹے مدعیانِ نبوت (مسیلمہ، طلیحہ اسدی اور سجاح) کی قوت بھی مضبوط ہونے لگی۔ اس پر بھی معاملہ ختم نہیں ہوا، بلکہ مرتدین، منکرینِ زکوٰۃ اور مدعیانِ نبوت جیسے داخلی فتنوں کی یکساں سرکوبی کے لیے آپؓ نے گیارہ لشکر تشکیل دیئے۔

اس موقع پر صحابہؓ نے نرمی کی درخواست کی تو آپؓ نے یہ سن کر ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ: ''أَيُنْقَصُ الدِّيْنُ وَأَنَا حَيٌّ؟'' یعنی دین میں کمی آجائے اور میں زندہ رہوں، پھر فرمایا کہ: اگر میرے ساتھ کوئی تعاون کرنا چاہے تو خوب اور اگر آپؓ سب میرا ساتھ چھوڑ دیں تو بھی میں تنِ تنہا اسلام کے ان دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔ سنو! مجھے یہ بات منظور ہے کہ اس مقابلہ

میں دشمن مجھے مار ڈالیں اور میرے لاشے کو پرندے نوچ نوچ کر کھا جائیں، لیکن یہ بات منظور نہیں کہ اسلام کو ذرہ برابر بھی نقصان پہنچے۔ اس پامردی و استقامتِ فیصلہ کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام فوجی لشکر بشمول "جیشِ اسامہ ؓ"، منکرینِ زکوٰۃ و مدعیانِ نبوت اور دشمنانِ اسلام کی سرکوبی کرنے میں کامیاب ہوئے۔

وفات:

رسول اکرم ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ؓ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ دو سال چند ماہ اس منصب پر فائز رہے۔ ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری بروز پیر اس دار فانی سے رخصت ہوئے اور روضہ رسول اکرم ﷺ میں ہمیشہ کے لیے آرام فرما ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ

جب توکل کرو

تو یہ مت سوچو کہ

جو مانگا ہے وہ ملے گا کیسے ؟

بلکہ انتظار کرو کہ

جو مانگا ہے

وہ ہر حال میں ملے گا !!...

کب اور کیسے اس بات کا فیصلہ, وسیلہ بنانے والے پر چھوڑ دو !!...

وَّ تَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

مولانا محمد شعیب نواز عثمانی صاحب

معروف صحابیٔ رسول ﷺ نیز انتہائی اہم تاریخی شخصیت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا تعلق مکہ میں قبیلۂ قریش کے مشہور و معزز ترین خاندان ''بنو مخزوم'' سے تھا، مکہ شہر میں اور اس تمام معاشرے میں سیاسی، معاشرتی، ثقافتی، اور معاشی غرضیکہ ہر لحاظ سے خاندان بنو مخزوم کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔

خالد بن ولید نے جب مکہ شہر میں اپنی ولادت، اور پھر بچپن کے مرحلے کے بعد عہدِ شباب میں قدم رکھا تو بہت جلد ہی ان کی فطری صلاحیتیں ظاہر ہونے لگیں، ان کی شخصیت میں پوشیدہ ہنر نکھر کر سامنے آنے لگے، بالخصوص شجاعت و جرأت، فنونِ حرب میں بے مثال مہارت، جنگی تدابیر سے خوب واقفیت، نیز بھرپور اور لاجواب قائدانہ صلاحیتیں... یہ وہ تمام خوبیاں تھیں جن کی بدولت ان کی شخصیت اس معاشرے میں روز بروز خوب نمایاں اور ممتاز ہوتی چلی گئی... حتیٰ کہ آئندہ چل کر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب جرأت و شجاعت، فنونِ حرب میں بے مثال مہارت، اور وسیع و عریض تاریخی فتوحات کے حوالے سے ان کی شخصیت ہمیشہ کیلئے افسانوی اور طلسماتی حیثیت اختیار کر گئی۔۔۔

دینِ اسلام کے ابتدائی دور میں قریشِ مکہ کے دیگر اکثر و بیشتر سرکردہ افراد کی مانند خالد بھی کافی عرصہ تک دینِ اسلام کی مخالفت پر کمربستہ رہے...البتہ مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کے مابین باقاعدہ لڑی جانے والی تین بڑی جنگوں کے حوالے سے خالد کی صورتِ حال یہ رہی کہ ۲ھ میں اولین غزوہ یعنی ''بدر'' کے موقع پر خالد کسی وجہ سے شریک نہیں ہوئے تھے۔

اس کے بعد دوسرا غزوہ یعنی ''اُحد'' جو کہ ۳ھ میں پیش آیا تھا، اس موقع پر خالد مشرکینِ مکہ کے لشکر میں موجود تھے، اس موقع پر ابتداء میں مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی شکست کے آثار کافی نمایاں ہونے لگے تھے، لیکن پھر اچانک مسلمان اپنی ہی ایک غلطی کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ ہار گئے تھے...اور اس کے پیچھے خالد ہی کی جنگی مہارت اور عسکری تدبیر کا بڑا عمل دخل تھا...(جس پر خالد کو قبولِ اسلام کے بعد زندگی بھر بڑی ندامت رہی)۔

جبکہ اس سلسلے کی تیسری جنگ یعنی ''خندق'' جو کہ ۵ھ میں پیش آئی تھی، اس موقع پر خالد مشرکینِ مکہ کے لشکر میں موجود تھے، لیکن اس موقع پر کیفیت یہ رہی تھی کہ باقاعدہ یلغار کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔

اس کے بعد ۶ھ میں مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کے مابین معروف معاہدۂ صلح یعنی ''صلحِ حدیبیہ'' کے نتیجے میں جب جنگوں کا یہ سلسلہ کچھ تھم گیا...تو فطری طور پر بہت سے لوگوں کو اب اس زمانۂ صلح میں نفرتوں عداوتوں اور محض جذبات کی دنیا سے نکل کر ٹھنڈے دل و دماغ اور ہوش و حواس کے ساتھ حقیقت پسندانہ طریقے سے صورتِ حال کا جائزہ لینے نیز ہر قسم کے تعصب اور تنگ نظری سے بالاتر ہو کر دینِ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے بارے میں غور و فکر کا موقع ملا...تب ان مشرکینِ مکہ میں سے بہت سے افراد ایسے تھے کہ اس غور و فکر کے نتیجے میں ان کے دلوں میں دینِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف نفرت و عداوت کی چنگاریوں کی بجائے اب وہاں ''ایمان کی بہار'' آنے لگی تھی...گمراہی کے اندھیرے چھٹنے لگے تھے، اور ان کی جگہ ہدایت کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔

یہی وہ دور تھا جب خالد بن ولید کے دل و دماغ پر بھی کچھ ایسی ہی کیفیت طاری رہنے لگی تھی...خاص طور پر ایک بہترین جنگجو اور بے مثال عسکری مہارت رکھنے والے انسان کی حیثیت سے جس بات نے خالد کو بہت زیادہ متأثر کر رکھا تھا وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں بھی یہی خوبیاں (یعنی جرأت و شجاعت نیز فنونِ حرب اور عسکری تدابیر میں بے مثال مہارت اور کامیاب منصوبہ بندی) بدرجۂ اتم موجود تھیں، لیکن خاص بات یہ کہ اکثر عسکری ماہرین کا اصل ہدف اور تمامتر جستجو محض جنگ جیتنے کی خاطر ہوا کرتی ہے...خواہ اس مقصد کیلئے انہیں کچھ بھی کرنا پڑے...اخلاقی قدروں کو قدموں

تلے کچلنا پڑے۔۔۔ یعنی اخلاق' انصاف' امانت ودیانت' اور انسانیت وشرافت کی ان کے نزدیک کوئی خاص اہمیت نہیں ہوا کرتی۔۔۔ تمامتر توجہ بس بہر صورت اپنی ''فتح'' پر ہی مرکوز ہوا کرتی ہے...

جبکہ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں جرأت وشجاعت اور بے مثال عسکری مہارت اور کامیاب منصوبہ بندی کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ انسانیت وشرافت بھی اپنے عروج پر تھی...جو کہ خالد کیلئے ایک بہت ہی عجیب بات تھی...اور درحقیقت یہی وہ اصل وجہ تھی جس کی بناء پر ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت مسلسل گھر کرتی چلی جارہی تھی۔

اور پھر نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری اور ملاقات کا جذبہ ہمہ وقت موجزن رہنے لگا...اور پھر رفتہ رفتہ انہوں نے قبولِ اسلام کا فیصلہ اور عزم بالجزم بھی کر لیا، تب یہ اس مقصد کیلئے جلد از جلد مکہ سے مدینہ کی جانب روانگی کے سلسلے میں منصوبہ بندی میں مشغول ہو گئے۔

البتہ اس موقع پر ان کی خواہش یہ تھی کہ مدینہ کی جانب تنہا جانے کی بجائے کاش قریشِ مکہ میں سے انہیں کوئی اپنا ہم خیال شخص مل جائے...اور دونوں ایک ساتھ مدینہ کی جانب روانہ ہوں...چنانچہ انہوں نے ایک روز اپنے دیرینہ دوست عثمان بن طلحہ سے اس بارے میں گفتگو کی، دینِ اسلام' نیز پیغمبرِ اسلام کے بارے میں اپنے ان بدلے ہوئے افکار وخیالات کا تذکرہ واظہار کیا، جس پر عثمان بن طلحہ نے برجستہ جواب دیا کہ ''خالد! یقین جانو...اب تو میرے بھی بالکل ایسے ہی خیالات ہیں''۔

اور پھر ایک روز یہ دونوں علی الصباح روشنی پھیلنے سے قبل ہی مکہ شہر سے نکل گئے...دل میں ایمان کا نور... نیز حُبِّ رسول ؐ کا طوفان چھپائے ہوئے یہ دونوں سوئے منزل...یعنی مدینۃ الرسول ﷺ کی جانب رواں دواں ہو گئے۔

اس یادگار اور مبارک سفر کے دوران مکہ شہر کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد ان دونوں نے ابھی کچھ ہی مسافت طے کی تھی کہ اچانک ایک جگہ انہیں عمرو بن العاص مل گئے...جو کہ رؤسائے قریش میں سے تھے اور مشرکینِ مکہ کی معزز ترین شخصیات میں ان کا شمار ہوتا تھا، تب اس اچانک ملاقات پر ان تینوں کو خوشگوار حیرت ہوئی، اور یہ خوشگوار حیرت اس وقت عظیم مسرت میں بدل گئی جب عمرو بن العاص نے انہیں یہ راز کی بات بتائی کہ ان کی منزل بھی مدینہ ہی ہے، اور مقصدِ سفر بھی وہی ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری اور قبولِ اسلام... چنانچہ اب یہ تینوں ایک ساتھ اپنی منزل کی جانب محوِ سفر ہو گئے۔

خالد بن ولید فرماتے ہیں "آخراس طویل اور مسلسل سفر کے بعد ہم تینوں مدینہ پہنچے، میری زندگی کا وہ یادگار ترین تھا، جب ۸ھ میں ماہِ صفر کے پہلے دن ہم تینوں ایک ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم تینوں میں سے سب سے پہلے میں نے سلام عرض کیا، جس پر آپؐ نے بڑی ہی خندہ پیشانی اور گرمجوشی کے ساتھ میرے سلام کا جواب دیا، میں نے اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا، اور آپؐ کے سامنے کلمۂ حق "أشہد أن لا الٰہ الا اللہ وأشہد أن محمداً رسول اللہ" پڑھتے ہوئے دینِ برحق قبول کیا... اس پر آپؐ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

قَد كُنتُ أرَىٰ لَکَ عَقلاً رَجَوتُ أن لَا يُسلِمکَ اِلّا اِلیٰ خَير...

یعنی "اے خالد! مجھے تمہاری شخصیت میں دانشمندی کے ایسے آثار دکھائی دیتے تھے جن کی بناء پر مجھے یہی امید رہتی تھی کہ تم خیر کے راستے پر آہی جاؤگے"

اس کے بعد میں نے آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت بھی کی، اور پھر میں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! ماضی میں دینِ اسلام کے خلاف میں جن کارروائیوں میں ملوث رہا ہوں آپ اس سلسلے میں اللہ سے میرے لئے معافی کی دعاء فرمایئے"

اس پر آپؐ نے فرمایا:

اِنّ الِاسلَامَ يَجُبُّ مَا قَبلَه ...

یعنی "اے خالد! قبولِ اسلام کے بعد گذشتہ تمام گناہ ختم ہو جاتے ہیں"

میں نے عرض کیا: عَلَیٰ ذٰلکَ یَارَسُولَ اللہ... یعنی "اے اللہ کے رسول! اس کے باوجود بھی... بس آپ میرے لئے دعائے مغفرت فرمایئے"

تب آپؐ نے یوں دعاء فرمائی:

اَللّٰهُمّ اغفِر لِخَالِدِ بنِ الوَلِيدِ كُلَّ مَا أوضَعَ فِيهِ مِن صَدٍّ عَن سَبِيلِک ...

یعنی "اے اللہ! تو خالد بن ولید کی وہ تمام لغزشیں معاف فرما جو آج تک اس سے تیرے دین کے خلاف سرزد ہوتی رہی ہیں"۔

اور پھر میرے بعد عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) اور پھر عثمان بن طلحہ (رضی اللہ عنہ) آگے بڑھے، دینِ اسلام قبول کیا، نیز رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی"(۱)(۲)

غزوۂ مؤتہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ قبولِ اسلام سے قبل ہمیشہ مشرکینِ مکہ کے لشکر میں شامل رہتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف بڑی کارروائیوں میں ملوث رہے تھے... لیکن اب قبولِ اسلام کے بعد ان کے دل کی دنیا یکسر بدل چکی تھی، اب کفر و شرک اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کی بجائے ان کی زندگی کا ہر گوشہ ایمان کے نور سے جگمگانے لگا تھا... اب اس نئی اور بدلی ہوئی زندگی میں ٗان کے قبولِ اسلام کے محض دو ماہ بعد ہی... قانونِ قدرت کے عین مطابق... ایک بہت ہی بڑی آزمائش ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

ہوا یہ کہ ۶ھ میں مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کے مابین ''صلحِ حدیبیہ'' کے نام سے جو مشہور تاریخی معاہدہ طے پایا تھا ٗاس کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کو مشرکینِ مکہ کی جانب سے جب قدرے بے فکری نصیب ہوئی تھی، تب اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام کے اس مبارک سلسلے کو مزید وسعت دینے کا فیصلہ فرمایا تھا، اسی سلسلے میں ان دنوں مختلف فرمانرواؤں ٗ حکمرانوں ٗ امراء و سلاطین ٗ اور والیانِ ریاست کے نام خطوط ارسال کئے گئے تھے جن میں انہیں دینِ برحق قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔

اسی سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے قاصد کی حیثیت سے حارث بن عمیر الأزدی رضی اللہ عنہ ''بُصریٰ'' کے فرمانروا کے نام تحریر فرمودہ آپؐ کا نامۂ مبارک لئے ہوئے جب مدینہ سے بُصریٰ کی جانب محوِ سفر تھے... تب راستے میں ملکِ شام کی حدود میں ''بلقاء'' نامی ریاست (جو کہ سلطنتِ روم کے تابع تھی) کے فرمانروا شرحبیل الغسانی نے انہیں روکا، تشدد کا نشانہ بنایا، اور پھر انتہائی سنگدلی و سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے جکڑنے کے بعد انہیں قتل کر ڈالا...

رسول اللہ ﷺ کو جب اس افسوسناک واقعے کی اطلاع ملی تو آپؐ انتہائی رنجیدہ ہوگئے، کیونکہ کسی نہتے اور بے قصور انسان کو... بالخصوص غیر ملکی قاصد اور سفارتی نمائندے کو ناحق یوں قتل کر ڈالنا یقیناً بہت ہی بڑا جرم تھا، مزید یہ کہ یہ سفارتی آداب کی سنگین خلاف ورزی بھی تھی...

رسول اللہ ﷺ نے یہ انتہائی افسوسناک بلکہ المناک واقعہ پیش آنے پر یہ فیصلہ فرمایا کہ اب رومیوں کے خلاف تادیبی کارروائی ضروری ہو چکی ہے، چنانچہ تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر سلطنتِ روم کی جانب روانہ کیا گیا۔ اس موقع پر آپؐ نے اس لشکر کا سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، اور یہ وصیت فرمائی کہ زید کے بعد سپہ سالاری کے فرائض جعفر بن ابی طالب انجام دیں گے، اور ان کے بعد عبد اللہ بن رواحہ (جو کہ انصارِ مدینہ میں سے تھے) انجام دیں گے، اور ان کے

بعد باہم مشاورت کے بعد کسی کو سپہ سالار منتخب کر لیا جائے (گویا رسول اللہ ﷺ کو من جانب اللہ خبر دے دی گئی تھی کہ اس موقع پر یہ تینوں حضرات یکے بعد دیگرے شہید ہو جائیں گے...) اور پھر یہ لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت مدینہ منورہ سے سوئے منزل رواں دواں ہو گیا...

طویل مسافت طے کرنے کے بعد جب یہ مبارک لشکر جزیرۃ العرب اور سلطنتِ روم کے مابین سرحدی علاقے میں پہنچا تو وہاں ''مؤتہ'' نامی مقام پر (جو کہ رفتہ رفتہ تقسیم در تقسیم کے سلسلوں کے بعد موجودہ ''اُردن'' میں واقع ہے) صورتِ حال جو نظر آئی وہ نہایت خلافِ توقع اور انتہائی پریشان کن تھی، کیونکہ وہاں منظر کچھ ایسا تھا کہ سامنے رومیوں کی ایک لاکھ فوج مقابلے کیلئے موجود تھی، مزید یہ کہ اس سرحدی علاقے میں آباد بہت سے عرب قبائل (غسان وغیرہ) جو دینی، معاشی وسیاسی طور پر سلطنتِ روم ہی کے تابع تھے، ان کے ایک لاکھ جنگجو بھی یہاں رومی فوج کے شانہ بشانہ موجود تھے... یعنی صورتِ حال یہ بنی کہ ایک طرف مسلمان محض تین ہزار... جبکہ دوسری جانب ان کے بالمقابل دو لاکھ مسلح اور چاق و چوبند جنگجوؤں پر مشتمل بہت بڑا لشکرِ جرار...

اس خلافِ توقع صورتِ حال کی وجہ سے مسلمان کچھ تردد کا شکار ہو گئے، دو روز تک باہم مشاورت کا سلسلہ چلتا رہا، کسی نے کہا ''ہمیں اب مزید پیش قدمی کی بجائے یہیں رک کر رسول اللہ ﷺ کو اس صورتِ حال سے مطلع کرنا چاہئے اور آپؐ کی طرف سے اس بارے میں کسی فیصلے کا انتظار کرنا چاہئے'' کسی نے کہا ''ہمیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجنا چاہئے کہ مزید دستے ارسال کئے جائیں'' اسی دوران حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کن انداز میں مشورہ دیتے ہوئے کہا ''ہمارے لئے ناکامی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے، ہمارے سامنے تو دونوں ہی صورتوں میں کامیابی ہی کامیابی ہے... یا شہادت، یا فتح... لہٰذا اس تمامتر تردد کی کیا ضرورت ہے؟''

چنانچہ سبھی نے اس مشورے کو قبول کیا، اور اس پر عمل کرتے ہوئے دشمن کی جانب پیش قدمی شروع کی... فریقین میں کوئی توازن ہی نہیں تھا... ایک طرف فقط تین ہزار مسلمان، اور وہ بھی گھر سے بے گھر، وطن سے بہت دور، یہاں دشمن کی سرزمین پر... جبکہ دوسری جانب دو لاکھ جنگجو... خود اپنی ہی سرزمین پر اور اپنے ہی علاقے میں... مگر اس کے باوجود... دونوں جانب سے نہایت زوردار یلغار ہوئی... زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نہایت بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے... تب رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قیادت سنبھالی، بے مثال شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے دور اندر تک چلے گئے... آخر اللہ کے دین کی سربلندی کی خاطر وہاں پردیس میں ''مؤتہ'' کے میدان میں انہوں نے بھی اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا... اور پھر یکے بعد دیگرے ان دونوں عظیم ترین اور بہادر سپہ

سالاروں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تیسرے سپہ سالار حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں ''موتہ'' کے مقام پر شہید ہو گئے...

رسول اللہ ﷺ نے انہی تینوں برگزیدہ شخصیات کو یکے بعد دیگرے بالترتیب اس لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔۔۔ لٰہذا اب ان تینوں کی شہادت کے بعد لشکر میں بہت بڑا خلاء پیدا ہو گیا جو کہ انتظامی لحاظ سے یقیناً بہت ہی خطرناک بات تھی ، بالخصوص اس قدر نازک ترین صورتِ حال میں کہ جب جنگ اپنے پورے عروج پر تھی ،اور اسلامی لشکر انتہائی پریشان کن صورتِ حال سے دوچار تھا، یہی وہ انتہائی اہم' بہت زیادہ نازک' اور فیصلہ کن مرحلہ تھا کہ جب جلد از جلد کسی مناسب ''سپہ سالار'' کا انتخاب از حد ضروری تھا۔

اس دوران انصارِ مدینہ کے خاندان ''بنو عجلان'' سے تعلق رکھنے والے ثابت بن اقرم نامی شخص نے برق رفتاری کے ساتھ لپک کر جھنڈا تھام لیا، جس پر سبھی لوگ اس کے ارد گرد جمع ہونے لگے، گویا اب یہی ان کا نیا سپہ سالار ہے... لیکن وہ شخص کچھ دیر دائیں بائیں نگاہ دوڑانے کے بعد آخر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے بآواز بلند پکارتے ہوئے یوں کہنے لگا ''جلدی کیجئے خالد... یہ جھنڈا تھام لیجئے''لیکن خالد اس چیز کیلئے قطعی آمادہ نہیں تھے، کیونکہ وہ تو ابھی محض دو ماہ قبل ہی مسلمان ہوئے تھے، جبکہ اس لشکر میں بڑی تعداد میں قدیم مسلمان' نیز مہاجرین و انصار میں سے اکابر صحابۂ کرام موجود تھے... بلکہ ایسے حضرات بھی تھے جنہیں حق و باطل کے درمیان اولین معرکہ یعنی ''غزوۂ بدر'' میں شرکت کا عظیم شرف نصیب ہوا تھا، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود یہ ثابت بن اقرم عجلانی جو بڑے ہی اصرار کے ساتھ خالد کو جھنڈا تھام لینے کی پیشکش کر رہے تھے' یہ خود بھی ''بدری'' تھے (رضی اللہ عنہ)۔

لٰہذا ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس اصرار کے جواب میں خالدؓ نے انہیں جواب دیتے ہوئے کہا ''میں یہ جھنڈا نہیں تھام سکتا، آپ خود اس کے زیادہ حقدار ہیں، کیونکہ آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں، نیز قبولِ اسلام میں آپ کو مجھ پر سبقت حاصل ہے، اور سب سے اہم بات یہ کہ آپ تو ''بدری'' ہیں''

تب ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ نے بڑی ہی سنجیدگی کے ساتھ قطعی اور دوٹوک انداز میں کہا

''خالد! اللہ کی قسم! یہ جھنڈا میں نے محض اسی لئے تھاما تھا کہ میں اسے آپ کے حوالے کر سکوں''

اور پھر انہوں نے مجمع کی جانب استفہامیہ انداز میں دیکھتے ہوئے ان سبھی سے پوچھا

''آپ سب کو منظور ہے؟''

جواب میں ہر طرف سے یہی صدا آئی

"منظور ہے"

تب حضرت خالد بن ولیدؓ نے آگے بڑھ کر حضرت ثابت بن اقرمؓ کے ہاتھ سے جھنڈا لے لیا...اور یوں اسلامی لشکر کے سپہ سالار کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھال لی۔

یہی موقع تھا جب سلطنتِ روم کے اس علاقے "موتہ" سے تقریباً ڈیڑھ ہزار میل کے فاصلے پر مدینہ منورہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے بذریعۂ وحی اپنے حبیب ﷺ کو صورتِ حال کی اطلاع دی گئی، جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ النّبِيَّ ﷺ نَعَىٰ زيداً ، وجَعْفَراً ، وابنَ رَوَاحَة ، قَبلَ أن يَأتِيَهُم خَبَرُهُم ، فَقَال: أخَذَ الرّايَةَ زيدٌ فَأُصِيب ، ثُمّ أخَذَهَا جَعفَرٌ فَأُصِيبَ ، ثُمّ أخَذَهَا ابنُ رَوَاحَة فَأُصِيبَ ، وَعَينَاهُ تَذرِفَان، حَتّىٰ أخَذَهَا سَيفٌ مِن سُيُوفِ الله (١)

یعنی "رسول اللہ ﷺ نے (مدینہ میں) لوگوں کو زیدؓ جعفرؓ اور ابن رواحہ کی شہادت سے آگاہ کیا، حالانکہ اُس وقت تک کسی اور ذریعے سے یہ خبر مدینہ نہیں پہنچی تھی...چنانچہ آپؐ نے فرمایا "پہلے زید نے جھنڈا اٹھایا، اور وہ شہید ہو گئے، ان کے بعد جعفر نے جھنڈا اٹھایا اور وہ بھی شہید ہو گئے، اور پھر ابن رواحہ نے جھنڈا اٹھایا اور وہ بھی شہید ہو گئے، یہ کہتے ہوئے آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا "اب جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے تھام رکھا ہے"

اُدھر میدانِ کارزار میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب سپہ سالاری کے فرائض سنبھالے تو صورتِ حال انتہائی نازک تھی...انہیں اس حقیقت کا بخوبی احساس اور مکمل ادراک تھا کہ یہ تو سرے سے کوئی جنگ ہی نہیں...کیونکہ تعداد کے لحاظ سے فریقین میں زمین وآسمان کا فرق تھا، مقابلے کا یا فتح کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...لہٰذا اس انتہائی سنگین اور نازک ترین صورتِ حال میں قیادت کی یہ بڑی بھاری ذمہ داری سنبھالتے ہی انہوں نے فوری طور پر اپنے دل میں یہ اصولی فیصلہ کر لیا کہ اب فتح ہمارا مقصد نہیں ہے، بلکہ اب اصل مقصد محض یہ ہے کہ کسی طرح تمام لشکر کو اس اتنی بڑی مصیبت سے اور آفتِ ناگہانی سے بحفاظت نکال لیا جائے...ورنہ بصورتِ دیگر تمام لشکر کا خاتمہ یقینی ہے، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی بہت بڑی بدنامی ہو گی، سیاسیؔ عسکریؔ نفسیاتیؔ غرضیکہ ہر لحاظ سے یہ چیز مسلمانوں کیلئے بڑے نقصان کا سبب بن جائیگی...جبکہ دشمنوں کے حوصلے بہت بلند ہو جائیں گے...لہٰذا اب اصل مقصود فقط یہ تھا کہ کسی طرح تمام لشکر کو یہاں سے اس انداز میں بحفاظت نکال لیا جائے کہ دشمن پر اصل حقیقت ظاہر نہ ہو سکے، اور وہ اسے مسلمانوں کی پسپائی کی بجائے محض جنگی چال ہی سمجھتا رہ جائے...

ظاہر ہے کہ اس مقصد کیلئے کوئی تدبیر دن کی روشنی میں دشمن کی نگاہوں کے سامنے تواختیار نہیں کی جاسکتی تھی... لٰہذا حضرت خالد بن ولیدؓ نے وہ تمام دن محض تین ہزار افراد پر مشتمل اس لشکر کی قیادت کرتے ہوئے... دولاکھ جنگجوؤں پر مشتمل اس لشکرِ جرار کے مقابلے میں گذارا... نہایت کامیابی کے ساتھ دشمن کی اتنی بڑی فوج کو... بلکہ اس پورے سمندر کو روکے رکھا... اُس روز حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شجاعت و بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ اس سے قبل چشمِ فلک نے ایسے مناظر نہیں دیکھے ہوں گے... اُس روز دن بھر ان کی جو کیفیت رہی اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ اُس روز مسلسل تلوار چلاتے چلاتے ان کے ہاتھوں میں ایک دو نہیں بلکہ نو تلواریں ٹوٹیں...

اور جب رات کا اندھیرا ہر طرف چھانے لگا تو اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت خالد بن ولیدؓ نے نہایت سرعت کے ساتھ راتوں رات اپنے لشکر میں بہت سی تبدیلیاں کیں... جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن جب صبح کا سورج طلوع ہوا تو رومیوں کو اپنے سامنے مسلمانوں کے لشکر میں سب کچھ بدلا ہوا نظر آیا، تب وہ یہ سمجھے کہ ضرور مسلمانوں کے لشکر میں تازہ دم دستے آپہنچے ہیں...

مزید یہ کہ اسلامی لشکر کے عقب میں وقفے وقفے سے بڑے پیمانے پر گرد و غبار اٹھتا ہوا نظر آنے لگا، جو کہ حضرت خالدؓ کے حکم پر بہت سے مسلمان گھڑسوار جان بوجھ کر خود ہی اڑا رہے تھے... اس کا اثر یہ ہوا کہ رومی سمجھے کہ ابھی پیچھے کوئی مزید بڑا لشکر بھی چلا آرہا ہے، اور تب وہ مزید خوفزدہ ہوگئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب دشمن کے لشکر میں پریشانی اور خوف کے آثار محسوس کئے تو اب انہوں نے اس بڑی تبدیلی سے فوری طور پر فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹنے کی ہدایت کی، اور اس چیز کا بھرپور خیال رکھا کہ یہ پیچھے ہٹنے کا عمل بتدریج اور خوب منظم طریقے سے ہو، کوئی افراتفری کے آثار نمایاں نہوں، بھگدڑ کا ماحول نظر نہ آئے، نیز یہ کہ دشمن مسلسل اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ مسلمانوں کی طرف سے یہ پسپائی نہیں ہے، بلکہ دشمن کو پھنسانے اور گھیرنے کیلئے یہ کوئی بڑی جنگی چال اور حکمتِ عملی ہے۔

چنانچہ مسلمان یوں انتہائی منظم طریقے سے بتدریج پیچھے ہٹتے گئے، یہ منظر دیکھ کر دشمن اس غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ مسلمان اس طرح ہمیں اپنے تعاقب پر ورغلا رہے ہیں، تاکہ ہم مسلسل ان کا تعاقب کرتے ہوئے جزیرۃ العرب کے صحرائی علاقے میں جا پہنچیں... جہاں ان مسلمانوں کا راج ہوگا، تب یہ ہمیں گھیر لیں گے، اور پھر وہاں سے زندہ سلامت واپسی ہمارے لئے ممکن نہیں ہوگی، یا تو ہم وہاں ان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے، یا پھر اُس بھیانک صحرا میں بھٹک جانے کے بعد بھوکے

پیاسے سسک سسک کر دم توڑنے پر مجبور ہو جائیں گے...اسی خوف اور اندیشے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے تعاقب سے گریز کرتے رہے،اور یوں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پورے اسلامی لشکر کو بحفاظت وہاں سے نکال لانے میں پوری طرح کامیاب اور سرخرو رہے...اس طرح رومیوں پرؔ نیز دوسرے بہت سے بیرونی واندرونیؔ کھلے ہوئے اور چھپے ہوئےؔ ہر قسم کے دشمنوں پر مسلمانوں کا رعب برقرار رہا...حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے فوری بعد پیش آنے والی یہ صورتِ حال فنونِ حرب وضرب میں ان کی بے مثال مہارتؔ نیز کامیاب جنگی حکمتِ عملی کا بڑا ثبوت تھی۔(اصحاب الرسول ﷺ،از مولانا خلیق احمد)

روزے کا مقصد پانے کی کوشش میں رہیں

روزے کا مقصود اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنا ہے۔اور تقویٰ یہ ہے کہ انسان حرام چیزوں سے اجتناب کرے،خدا کی فرماں برداری میں لذت اور نافرمانی میں نفرت محسوس کرے اور یہ جوہر پیدا کرنے میں روزہ اس قدر مؤثر اور کامیاب ہے کہ کوئی بھی دوسری عبادت اس کا بدل نہیں بن سکتی،اگر ہم اپنے روزوں سے تقویٰ پیدا کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے سود،دھوکا،فریب اور حرام چیزوں سے قطعی اجتناب کریں،حرام روزی کے ساتھ کوئی بھی عبادت قبول اور کوئی بھی نیک عمل عملِ صالح نہیں ہوتا۔

اپنی زبان پر قابو رکھیں،زبان سے کسی کی غیبت،چغلی،بدکلامی وغیرہ سے بچنا بھی روزہ ہے،ہمارے ذمے کسی کا کوئی مالی حق،یا کسی کا کوئی حقِ جانی دبا رکھا ہے،یا کسی پر کوئی زیادتی کی ہے،یا کسی کا کوئی قرضہ ہے تو اولین فرصت میں صاحبِ معاملہ کا حق ادا کر دیں،اگر ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو اس سے مل کر معاملہ ضرور صاف کر لیں۔

حضرت مولانا امداداللہ مہاجر مکیؒ کا رمضان میں معمول

سید الطائفہ حضرت الحاج امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے رمضان کے معمولات حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ نے ''امدادالمشتاق'' میں نقل کئے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ تمہاری تعلیم کے واسطے کہتا ہوں، یہ فقیر عالم شباب میں اکثر راتوں کو نہیں سویا، خصوصاً رمضان شریف میں بعد مغرب دولڑکے حافظ یوسف ولد حافظ ضامن صاحب وحافظ حسین احمد میرا بھتیجا سوا سوا پارہ عشاء تک سناتے تھے۔ ان کے بعد ایک حافظ نصف شب تک۔ اس کے بعد تہجد کی نماز میں دو حافظ۔ غرض کہ تمام رات اسی میں گزر جاتی تھی۔ (امدادالمشتاق)

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا معمول

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک کے حوالے سے آپ کے یہ چند معمولات ذکر کئے ہیں کہ مشہور ہے کہ حضرت نے سن ۱۲۷۷ء کے سفر حجاز میں (اس) ماہِ مبارک میں قرآنِ پاک حفظ کیا تھا، روزانہ ایک پارہ یاد

کر کے تراویح میں سنایا کرتے تھے، مگر حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سوانح قاسمیؒ'' میں تحریر فرمایا کہ جمادی الثانیہ سن ۱۲۷۷ء میں حج کے لئے روانہ ہوئے، آخر ذی قعدہ میں مکہ مکرمہ پہنچے، بعد حج مدینہ شریف پہنچے اور ماہِ صفر میں مدینہ پاک سے مراجعت فرمائی، ربیع الاوّل کے اخیر میں ''بمبئی'' پہنچے، اور جمادی الثانیہ تک وطن پہنچے۔ جاتے ہوئے کراچی سے جہاز بادبانی میں سوار ہوئے، رمضان کا چاند دیکھ کر مولوی صاحب نے قرآن شریف یاد کیا تھا اور وہاں سنایا۔ بعد مکلّا پہنچ کر حلوائے مسقط خرید فرما کر شیرینی ختم دوستوں کو تقسیم فرمائی۔

مولوی صاحب کا اس سے پہلے قرآن یاد کرنا کسی کو ظاہر نہ ہوا تھا، بعد ختم مولوی صاحب فرماتے تھے کہ فقط دو سال رمضان میں میں نے یاد کیا اور جب یاد کیا پاؤ سپارہ کی قدر یا کچھ اس سے زائد یاد کر لیا، پھر تو بہت کثرت سے پڑھتے تھے۔ ایک بار یاد ہے کہ ستائیس پارے ایک رکعت میں پڑھے، اگر کوئی اقتداء کرتا رکعت کر کے یعنی سلام پھیر کر اس کو منع فرمادیتے اور تمام شب تنہا پڑھتے رہتے۔ (سوانح قاسمیؒ)

مشہور قول میں ایک سال اور حضرت کے ارشاد میں دو سال اور پاؤ پاؤ پارہ یاد کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رمضان میں کچھ حصہ پاؤ پاؤ پارہ یاد کیا اور دوسرے رمضان میں سفر حج میں تھا ایک ایک پارہ پڑھ کر اس کی تکمیل فرمائی۔ (اکابر کا رمضان)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا معمول

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ریاضت و مجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا اور ترس کھایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس پیرانہ سالی میں جب آپ ستر سال کی عمر سے متجاوز ہو گئے تھے کثرتِ عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر کا روزہ اور بعد مغرب چھ کی جگہ بیس رکعت ''صلوٰۃ الاوّابین'' پڑھا کرتے تھے، جس میں تخمیناً دو پارے قرآنِ مجید سے کم کی تلاوت نہ ہوتی تھی، پھر اسی کے ساتھ رکوع سجدہ اتنا طویل کہ دیکھنے والے کو ''سہو'' کا گمان ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر مکان تک جاتے اور کھانا کھانے کے لئے مکان پر ٹھہرنے کی مدت میں کئی پارے قرآن مجید مکمل کرتے تھے۔ پھر تھوڑی دیر بعد نمازِ عشاء اور صلوٰۃ تراویح (جس میں گھنٹے سوا گھنٹے سے کم خرچ نہ ہوتا تھا) ادا فرماتے تھے۔ تراویح سے فارغ ہو کر ساڑھے دس، گیارہ بجے آرام فرماتے اور دو ڈھائی بجے ہی اُٹھ کھڑے ہو جاتے تھے، دو، ڈھائی، تین گھنٹے تک تہجد میں مشغول رہتے تھے۔

بعض دفعہ سحر کھانے کے لئے کسی خادم کو پانچ بجے جانے کا اتفاق ہوا تو آپ کو نماز ہی میں مشغول پایا۔ صلوٰۃ فجر کے بعد آٹھ، ساڑھے آٹھ بجے تک وظائف، اور مراقبہ و ملاحظہ میں مصروفیت رہتی، پھر اشراق پڑھتے اور چند ساعات استراحت فرماتے،

اتنے ڈاک آجاتی تو خطوط کے جوابات اور فتاویٰ لکھواتے اور چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر ''قیلولہ'' فرماتے تھے۔ ظہر کے بعد حجرہ شریف بند ہو جاتا تھااور تاعصر کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے، پیرانہ سالی و نقاہت کے ساتھ ''وجع الورک'' کی تکلیف شدید کا یہ عالم تھا کہ استنجاگاہ سے حجرہ شریف لانے میں حالاں کہ پندرہ سولہ قدم کا فاصلہ ہے مگر راہ میں بیٹھنے کی نوبت آتی تھی، اس حالت پر فرائض تو فرائضُ نوافل بھی کبھی بیٹھ کر نہیں پڑھے اور ان میں گھنٹوں کھڑے رہنا، بارہا خدام نے عرض کیا کہ آج تراویح بیٹھ کر ادا فرماویں تو مناسب ہے، مگر جب آپ کا جواب تھا کہ نہیں جی یہ کم ہمتی کی بات ہے۔

یوں تو ماہِ رمضان المبارک میں آپ کی ہر عبادت میں بڑھوتری ہوتی تھی، مگر تلاوتِ کلام اللہ کا شغف خصوصیت کے ساتھ اس درجہ بڑھتا تھا کہ مکان تک آنے جانے میں کوئی بات نہ فرماتے تھے۔ نمازوں میں اور نمازوں کے بعد تخمیناً نصف قرآنِ مجید آپ کا یومیہ معمول قرار پاتا تھا، جس شب کی صبح کو پہلا روزہ ہوتا تھا آپ حضارِ جلسہ سے فرمادیا کرتے تھے کہ آج سے کچہری برخاست! رمضان کو بھی آدمی ضائع کرے تو افسوس کی بات ہے، اس مجاہدہ پر غذا کی یہ حالت تھی کہ کامل رمضان بھر کی خوراک پانچ سیر اناج تک پہنچنی دشوار تھی۔ (تذکرۃ الرشید)

رمضان شریف میں آپ صبح کو خلوت خانہ سے دیر میں برآمد ہوتے۔ موسم سرما میں اکثر دس بجے تشریف لاتے نوافل اور قرأتِ قرآن و سکوت و مراقبہ میں بہ نسبت دیگر ایام بہت زیادتی ہوتی، سونا اور استراحت نہایت قلیل، کلام بہت کم کرتے، بعد نمازِ مغرب ذرا دیر خلوت نشینی کا ذائقہ لے کر کھانا تناول فرماتے، تراویح کی بیس رکعات اوائل میں خود پڑھاتے تھے اور آخر میں صاحب زادہ مولوی حافظ حکیم محمد مسعود احمد صاحب کے پیچھے پڑھتے، بعد وتر دو رکعت طویل کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر پڑھتے، دیر تک متوجہ بہ قبلہ بیٹھ کر پڑھتے رہتے، پھر ایک سجدۂ تلاوت کر کے کھڑے ہو جاتے، غالباً اس دوران میں سورۂ تبارک الذی اور سورۂ سجدہ اور سورۂ دخان پڑھتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید)

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کا معمول

مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب دیوبندیؒ سوانح شیخ الہند میں تحریر فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں حضرت شیخ الہندؒ کی خاص حالت ہوتی تھی، دن رات عبادت خداوندی کے علاوہ کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ دن میں کچھ آرام فرماتے لیکن رات کا اکثر حصہ بلکہ پوری رات قرآن مجید سننے میں گزار دیتے تھے۔ حفاظ اکرام کو قرآن سنانے پر مقرر فرمایا کرتے تھے اگر وہ باہر کے رہنے والے خادم و شاگرد ہوتے تو ان کے قیام وطعام کا اہتمام فرماتے اور تمام مصارف کو د برداشت کیا کرتے تھے۔

کبھی مولاناحافظ محمد احمد صاحب سے اصرار کر کے کئی کئی بار قرآن کریم اُن سے سنا کرتے تھے۔ تراویح سے فراغت کے بعد حاضرین کو مضامین علمیہ اور حکایات اکابر سے محظوظ فرماتے اور پھر اگر کچھ دیر موقع ملتا لیٹنے کو تو چند منٹ کے لیے آرام فرماہو جاتے۔ اس کے بعد نوافل شروع ہو تیں ایک حافظ دو چار پارے سنا کر آرام کرتا لیکن حضرت شیخ الہندؒ اسی طرح مستعد رہتے اور دوسرا حافظ سنانا شروع کر دیتا۔ اسی طرح متعدد حفاظ باری باری قرآن مجید سناتے حضرتؒ کبھی دو تین بجے تک یا بلکل سحر کے وقت تک اسی طرح کھڑے حفاظ سے قرآن کریم سنتے رہتے تمام رات یہی لطف رہتا تھا۔ اور اس قدر طویل قیام کے بعد جب پاؤں ورم کر جاتے تو مخلصین و خدام کو رنج ہوتا تھا اور حضرت شیخ الہندؒ دل میں خوش ہوتے کہ ''حتی تورمت قدماہ'' میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع نصیب ہوا۔ (اکابر کا رمضان)

ایک استاد تھے۔وہ اکثر اپنے شاگردوں سے کہا کرتا تھے کہ یہ دین بڑا قیمتی ہے۔ایک روز ایک طالب علم کا جوتا پھٹ گیا۔ وہ موچی کے پاس گیا اور کہا: میرا جوتا مرمت کردو۔اس کے بدلہ میں، میں تمھیں دین کا ایک مسئلہ بتاؤں گا۔

موچی نے کہا: اپنا مسئلہ رکھ اپنے پاس۔مجھے پیسے دے۔

طالبِ علم نے کہا: میرے پاس پیسے تو نہیں ہیں۔

موچی کسی صورت نہ مانا۔اور بغیر پیسے کے جوتا مرمت نہ کیا۔

طالبِ علم اپنے استاد کے پاس گیا اور سارا واقعہ سُنا کر کہا:

لوگوں کے نزدیک دین کی قیمت کچھ بھی نہیں۔استاد بھی عقل مند تھے۔

طالبِ علم سے کہا:

اچھا تم ایسا کرو: میں تمھیں ایک موتی دیتا ہوں تم سبزی منڈی جا کر اس کی قیمت معلوم کرو۔

وہ طالبِ علم موتی لے کر سبزی منڈی پہنچا اور ایک سبزی فروش سے کہا:

اس موتی کی قیمت لگاؤ۔ اس نے کہا کہ تم اس کے بدلے یہاں سے دو تین لیموں اُٹھا لو۔ اس موتی سے میرے بچے کھیلیں گے۔ وہ بچہ استاد کے پاس آیا اور کہا: اس موتی کی قیمت دو یا تین لیموں ہے۔

استاد نے کہا:

اچھا اب تم اس کی قیمت سُنار سے معلوم کرو۔ وہ گیا اور پہلی ہی دکان پر جب اس نے موتی دکھایا تو دکان دار حیران رہ گیا۔

اس نے کہا اگر تم میری پوری دکان بھی لے لو تو بھی اس موتی کی قیمت پوری نہ ہو گی۔ طالبِ علم نے اپنے استاد کے پاس آکر ماجرا سُنایا۔

استاد نے کہا:

بچے! ہر چیز کی قیمت اس کی منڈی میں لگتی ہے۔ دین کی قیمت اللہ کی منڈی میں لگتی ہے۔ اس قیمت کو اہلِ علم ہی سمجھتے ہیں۔ جاہل کیا جانے دین کی قیمت کو۔۔۔

استاد کو ہر زمانے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔استاد کی اہمیت اور ان کا مقام و مرتبہ کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ہماری شخصیت سازی اور کردار سازی میں معاون مددگار ثابت ہوتا ہے۔استاد ہر ایک طالب علم کو ویسے ہی سنوارتا ہے جیسے ایک سونار دھات کے ٹکڑے کو سنوارتا ہے۔استاد علم کے حصول کا برائے راست ایک ذریعہ ہے اسلئے انکی تکریم اور ان کے احترام کا حکم دیا گیا ہے۔استاد کا احترام اسلامی نقطہ نظر سے دو اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے:۔

1۔ایک تو وہ منبع علم ہونے کے ناطے ہمارے روحانی باپ ہوا کرتے ہیں۔ہماری اخلاقی اور روحانی اصلاح و فلاح کے لئے اپنی زندگی صرف کرتی ہیں۔

2۔دوسرا یہ کہ وہ عموماً طلبہ سے بڑے ہوتے ہیں اور مذہب اسلام اپنے سے بڑوں کے احترام کا حکم بھی دیتا ہے۔ارشاد نبوی ہے

"من لم يرحم صغيرنا ومن لم يوقر كبيرنا فليس منا"

قارئین!اب ان دلائل کا بھی تذکرہ کئے دیتے ہیں جن میں استاد کی تکریم اور ادب کو ملحوظ خاطر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے:۔

1۔اسلامی تعلیم میں استاد کی تکریم کا جابجا حکم ملتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا

"انما بعثت معلما"

کہ مجھے ایک معلم بنا کر بھیجا گیا ہے

اس بات کی بین اور واضح دلیل ہے کہ استاد کا مقام و مرتبہ نہایت بلند و بالا ہے۔

2۔آپ جانتے ہیں کہ جبرئیل امین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے زانوئے تلمذ طے کر کے آنے والے طلبہ اور اسٹوڈینٹ کو یہ تعلیم دے دی کہ انہیں استاد کے سامنے کیسے بیٹھنا چاہیئے،صحابہ کرام نبی کے سامنے ایسے بیٹھتے معلوم ہوتا کہ انکے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔یہ حدیث بھی استاد کے مقام و مرتبہ کے اوپر ایک شاندار دلیل ہے۔

3۔اللہ تعالی نے

"ويعلمهم الكتاب والحكمة"

کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بحیثیت معلم بیان کر کے استاد کے مقام و مرتبہ میں چار چاند لگا دیا ہے۔

قارئین!اب ہم آپکے سامنے ملت اسلامیہ کی قابل قدر،قد آور شخصیات کا ذکر کئے دیتے ہیں جنھوں نے اپنے اساتذہ کے ادب واحترام کی درخشندہ مثالیں کیں جو ہمارے لئے مشعل راہ ہیں:۔

1۔امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ مجلس درس بڑی باوقار ہوا کرتی تھی۔تمام طلبہ ادب سے بیٹھتے۔حتی کہ ہم لوگ اپنی کتابوں کا ورق بھی آہستہ الٹتے تاکہ کھڑ کھڑاہٹ کی آواز بلند نہ ہو۔

2۔زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک جنازے پر نماز پڑھی۔پھر آپکی سواری کے لئے خچر لایا گیا تو عبداللہ بن عباس آگے بڑھ کر رکاب تھام لی۔تو اس پر زید بن ثابت نے کہا اے ابن عم رسول اللہ!آپ ہٹ جائیں۔اس پر ابن عباس نے جواب دیا کہ علمائے دین اور اکابر کی عزت اسی طرح کرنی چاہیئے۔

3۔ہارون رشید کے دربار میں جب کوءعالم دین تشریف لاتے تو ہارون رشید اس کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے ۔اس پر انکے درباریوں نے ان سے کہا اے بادشاہ سلامت!اس طرح سلطنت کا رعب جاتا رہتا ہے تو ہارون رشید نے جو جواب دیا یقیناً وہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔آپ نے کہا اگر علماءدین کی تعظیم سے رعب سلطنت جاتا ہے جائے۔

استاد کی تکریم اوران کے مقام ومرتبہ کے تعلق سے قرآن وحدیث اوراقوال سلف کو بیان کرنے کے بعد مناسب سمجھتا ہوں کہ استاد کی تکریم اوران کاادب واحترام ایک طالب علم کیسے کرے اسکو بھی آپکے گوش گزار کردوں۔ مولانا قاری صدیق احمد رحمہ اللہ بانی جامعہ ہتھوڑا باندہ یوپی اپنی کتاب "آداب المتعلمین" کے اندر استاد کے ادب کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

1: ہر طالب علم کو چاہئے کہ وہ استاد کے ادب واحترام کو اپنے اوپر لازم سمجھے، استاد کے سامنے زیادہ بولنے کے بجائے انکی باتوں کو بغور سماعت فرمائیں۔

2: اپنے استاد کو برا بھلا نہ کہیں، ورنہ تمہارے تلامذہ بھی تمہیں برا بھلا کہیں گے۔

3: استاد کو کبھی ناراض نہ ہونے دیں، اگر انکی شان میں کوءبےادبی ہو جائے تو فوراانتہاءعاجزی کے ساتھ معافی مانگ لیں۔

ان تمام دلائل وبراہین اور اور اقوال سلف سے معلوم ہوا کہ استاد کی عزت اوران کا مقام ومرتبہ امر مسلم ہے جس کا انکار کوئی بھی فرد وبشر نہیں کر سکتا۔ لہذا ہم سبھوں پر واجب ہے کہ ہم اپنے استاد کی عزت کریں انکے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں تبھی جاکر ہم ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے امام بن سکتے ہیں۔

اُستاد ایک چراغ ہے جو تاریک راہوں میں روشنی کے وجود کو برقرار رکھتا ہے۔اُستاد وہ پھول ہے جو اپنی خوشبو سے معاشرے میں امن ومحبت ودوستی کا پیغام پہنچاتا ہے۔اُستاد ایک ایسا رہنما ہے جو آدمی کو زندگی کی گم راہیوں سے نکال کر منزل کی طرف گامزن کرتا ہے۔

استاد کو ہر زمانے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔استاد کی اہمیت اور ان کا مقام ومرتبہ کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ہماری شخصیت سازی اور کردار سازی میں معاون مددگار ثابت ہوتا ہے۔استاد ہر ایک طالب علم کو ویسے ہی سنوارتا ہے جیسے ایک سونار دھات کے ٹکڑے کو سنوارتا ہے۔استاد علم کے حصول کا برائے راست ایک ذریعہ ہے اسلئے انکی تکریم اور ان کے احترام کا حکم دیا گیا ہے۔

استاد کی فضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں؛

اسلام نے دنیا کو علم کی روشنی عطا کی،استاد کو عظمت اور طالب علم کو اعلیٰ وارفع مقام عطا کیا ہے، نبیِ کریم ﷺ نے اپنے مقام ومرتبہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا

"مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے"(ابن ماجہ۔229)

اسلام نے استاد کو روحانی والد قرار دے کر ایک قابل قدر ہستی، محترم و معظم شخصیت، مربی و مزکّی کی حیثیت عطا کی۔ معلّم کے کردار کی عظمت واہمیت کااندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس عالم رنگ وبو میں معلّم اوّل خود رب کائنات ہیں، چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے،

اور اٰدمؑ کو اللہ کریم نے سب چیزوں کے اسماء کا علم عطاء کیا۔(البقرہ۔31)

معلّم کائنات نے انسانیت کی راہنمائی اور تعلیم کے لیے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کو معلّم و مربّی بنا کر بھیجا ،ہر نبی شریعت کا معلّم ہونے کے ساتھ ساتھ کسی ایک فن کا ماہر اور معلّم بھی ہوتا تھا جسے حضرت اٰدمؑ دنیا میں زراعت، صنعت و حرفت کے معلّم اوّل تھے، کلام کو ضبط تحریر میں لانے کا علم سب سے پہلے حضرت ادریسؑ نے ایجاد کیا، حضرت نوحؑ نے لکڑی سے چیزیں بنانے کا علم متعارف کروایا، حضرت ابراہیمؑ نے علم مناظرہ اور حضرت یوسفؑ نے علم تعبیر الرؤیا کی بنیاد ڈالی۔ خاتم الانبیاءﷺ نے معلّم کو انسانوں میں بہترین شخصیت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سیکھائے۔(بخاری۔5027)

"وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"۔(آل عمران:۱۶۴)

"اور وہ (نبی) ان کو کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں۔"اور

"وإنما بعثت معلماً"

"اوراس کے سوا نہیں کہ مجھے تو بھیجا گیا ہے(دین) سکھلانے کے لیے۔"(سنن ابن ماجہ، مقدمۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ص:۲۱، ط: قدیمی)

استاد ہونا ایک بہت بڑی نعمت اور عظیم سعادت ہے۔ معلّم کو اللہ اور اس کی مخلوقات کی محبوبیت نصیب ہوتی ہے، مخبر صادقﷺ نے استاد کی محبوبیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ

لوگوں کو بھلائی سیکھانے والے پر اللہ، ان کے فرشتے، آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں رحمت بھیجتی اور دعائیں کرتی ہیں۔(ترمذی 2675)

نبی کریم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور تابعین و تبع تابعین نے بھی استاد کی تعظیم و تکریم کی مثال قائم کی۔ خلفاء اسلام کے زمانے میں معلّمین کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل تھی کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ معلّمین کو درس و تدریس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ انتظامی امور اور عہدوں پر فائز کرتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کا قول ہے کہ

جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں خواہ وہ مجھے آزاد کر دے یا بیچ دے۔ (تعلیم المتعلم۔21)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اساتذہ کے سامنے تواضع اور انکساری کا اظہار کرتے تھے، علم حدیث کے لیے ان کے گھروں کی دہلیز پر بیٹھ جاتے اور استاد کے نکلنے کا انتظار کرتے رہتے، ہوا سے چہرے پر گرد اور مٹی پڑتی رہتی تھی، جب وہ حضرات اپنے کام سے باہر نکلتے تو آپ کو منتظر اور طالب علم پاتے اور آپ استاذ کے سامنے یوں گویا ہوتے کہ میں علم کا طالب ہوں، میرا دل نہ چاہا کہ آپ میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آئیں (دارمی)

حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ ہم استاد سے اتنا ڈرتے اور ان کا اتنا ادب کرتے تھے جیسا کہ لوگ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معینؒ بہت بڑے محدث تھے امام بخاریؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ محدثین کا جتنا احترام وہ کرتے تھے اتنا کرتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو استاد کی قدر نہیں کرتا وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ (تعلیم المتعلم 22)

ادب استاد ائمہ امت کی نظر میں؛۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ اپنے استاد کا اتنا ادب کرتے تھے کہ کبھی استاد کے گھر کی طرف پاؤں کر کے نہیں سوئے۔

فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب ھدایہ کے مصنف، شیخ الاسلام برہان الدینؒ بیان فرماتے ہیں کہ ائمہ بخارا میں سے ایک امام دوران درس بار بار کھڑے ہو جاتے، شاگردوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میرے استاد کا لڑکا گلی میں بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے جب مسجد کے دروازے کے سامنے آتا ہے میں اپنے استاد کی وجہ سے ادب میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔

حضرت شیخ الہند محمود حسنؒ علم و فضل، تقوٰی و طہارت، جہد و عمل، تواضع و انکساری میں منفرد مقام کے حامل تھے، شیخ العرب والعجم حضرت حسین احمد مدنیؒ کو دیکھا گیا کہ باوجود اتنے بڑے منصب پر فائز ہونے کے اپنے استاد شیخ الھندؒ کے گھر کا پانی اپنے سر پر اٹھا کر لے جاتے تھے۔

ابن وہبؒ فریا کرتے تھے مجھے جو کچھ بھی ملا امام مالکؒ کی وجہ سے ملا۔امام ربیعؒ فرماتے ہیں مجھے کبھی اپنے استاد امام شافعیؒ کے سامنے پانی پینے کی جرات نہ ہوئی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں ادب کی وجہ سے کتاب کا ورق آہستہ سے الٹتا تھا کہ کہیں میرے استاد کو اسکی آواز نہ سنائی دے۔

امام احمد بن حنبلؒ ایک مرتبہ کسی وجہ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے۔گفتگو کے دوران کسی نے امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ابراہیم بن طعمانؒ کا نام لے لیا۔اپنے استاد کا نام سنتے ہی امام احمد بن حنبلؒ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

میرے لیے یہ نازیبا بات ہو گی کہ میرے سامنے بڑوں کا نام لیا جائے اور میں ٹیک لگا کر بیٹھا رہوں۔(باادب بانصیب ۹۵)

علماء کرام یہاں تک فرماتے ہیں کہ استاد طالب علم کے سامنے کوئی نکتہ بیان کرے اور وہ نکتہ طالب علم کو معلوم بھی تو تب بھی وہ استاکے سامنے ایسے ظاہر کرے جیسے اسے معلوم نہ تھا۔

بعد از تعلیم استاد سے ملاقات:۔

استاد کے حقوق میں اسے ایک حق یہ بھی کہ طالب علم اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد بھی اپنے استاد سے ملاقات کرتا رہے۔

شاہ عبدالرحمن محدث پانی پتیؒ اپنے زمانہ طالب علمی میں پانی پت سے سہارنپور تشریف لائے۔وقت رخصت اپنے تمام اساتذہ سے ملاقات فرمائی مگر ایک استاد جن سے ابتدائی کتب پڑھیں ان سے ملاقات نہ کر سکے۔جب پانی پت پہنچ کر تعلیم کا آغاز کیا تو سبق یاد کرنے میں دشواری ہونے لگی،کئی دن اسی پریشانی میں گزر گئے۔اچانک یاد آیا استاد صاحب سے ملاقات نہ کر سکا تو فوراَ َمعذرت نامہ لکھا۔استاد نے جوابا لکھا جب آپ دوسرے اساتذہ سے ملاقات کر کے گئے اور مجھ سے ملاقات نہ ہوئی تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے چھوٹا استاد سمجھ کر نظر انداز کر گئے ہوں۔آپ کے معذرت نامہ سے مجھے شرح صدر حاصل ہوا میں آپ کے لیے دعا گو رہوں گا۔فرماتے ہیں جیسے ہی یہ خط ملا تو مجھے ذہنی سکون ملا اور سبق یاد کرنے میں دشواری بھی ختم ہو گئی۔(باادب بانصیب ۹۵)

امام حلوائیؒ نے جب بخارا چھوڑا اور دوسری جگہ منتقل ہوئے تو امام زرنوجیؒ کے سوا تمام شاگرد ملاقات کو پہنچے۔کچھ مدت کے بعد امام زرنوجیؒ کی ملاقات اپنے استاد امام حلوائیؒ سے ہوئی تو امام زرنوجیؒ نے معذرت کی کہ فلاں مجبوری کے تحت نہ آسکا۔

امام حلوانیؒ کے جواباََ کہا آپ کو عمر تو لمبی نصیب ہوگی مگر درس نصیب نہ ہوا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔(شرح الطریقتہ المحمدیہ)

استاد کی خدمت کو اپنے لیے فلاح دارین سمجھیے:۔

حضرت حماد بن سلمہؒ کی ہمشیرہ فرماتی ہیں کہ حضرت حمادؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے استاد تھے ،اور اسی وجہ سے اما اعظم ابو حنیفہ گھر کے بہت سے کام کر دیا کرتے تھے۔اس وقت یہ بات کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ حماد بن سلمہ کا یہ خدمتگار شاگرد ایک دن عالم اسلام کا مخدوم بنے گا۔(باادب بانصیب:۹۸)

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے کو حضرت اصمعیؒ کے پاس تربیت کے لیے بھیجا۔ایک دن خلیفہ ہارون الرشید آیا تو دیکھا وقت کا شہزادہ حضرت اصمعیؒ کو وضو کرا رہا ہے۔شہزادہ پانی دال رہا ہے اور حضرت اصمعیؒ پاؤں پر ہاتھ مل رہے ہیں۔خلیفہ نے یہ منظر دیکھ کر حضرت اصمعیؒ سے کہا حضرت اگر آپ اس کو تربیت کے ساتھ ادب سکھلاتے تو کتنا اچھا ہوتا۔حضرت والاؒ نے جواب دیا یہ پانی ڈال تو رہا ہے۔خلیفہ نے کہا کہ حضرت آپ اس کو حکم فرماتے کہ یہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے پاؤں دھوتا۔(باادب بانصیب:۹۸)

قاضی امام فخر الدین ارسابندیؒ شہر ''مرد'' کے امام الائمہ تھے۔وقت کا بادشاہ آپؒ کی بہت تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا ۔قاضی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے استاد قاضی امام ابو یزید دبوسیؒ کی بہت خدمت کیا کرتا تھا۔میں نے تیس سال اپنے استاد کے گھر کا سالن پکایا اور اس میں سے کچھ بھی نہ کھایا۔اس خدمت کہ وجسہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ رُتبہ دیا ہے کہ بادشاہ میرا ادب اور تعظیم کرتا ہے۔(باادب بانصیب۹۹)

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اپنے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے ساتھ مالٹا کی جیل میں قید تھے۔موسم سرد ہونا شروع ہوا۔شیخ الہندؒ صبح جب تہجد کے لیے اٹھتے تو پانی ٹھنڈا ہوتا تھا۔حضرت مدنیؒ نے پانی کو گرم کرنے کے یہ طریقہ تلاش کیا کہ ایک برتن میں پانی بھر لیتے، پانی کو پیٹ کے پاس رکھتے اور دونوں بازؤں سے پکڑ کر سجدہ کی حالت میں سو جاتے اور صبح پانی اس قابل ہو جاتا کہ وضو کیا جا سکے اور اسی پانے سے اپنے استاد کو وضو کراتے۔ایک دن حضرت مدنیؒ کو نیند آ گئی تو صبح ٹھنڈے پانے سے وضو کرایا۔تو استاد نے کہا کیا پانی وہیں سے لائے ہو جہاں سے پہلے لاتے تھے؟تب حضرت مدنیؒ نے کہا میں معافی چاہتا ہوں کہ آج پانی نہ رکھ سکا۔تب جا کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو معلوم ہوا کہ شاگرد اپنے استاد کو گرم پانی مہیا کرنے کی خاطر ساری رات سجدہ میں گزار دیا کرتا تھا۔(باادب بانصیب۹۹)

لالہ مدھورام جوہر نے کہا تھا:

وہی شاگرد پھر ہو جاتے ہیں استاد اے جوہرؔ

جو اپنے جان ودل سے خدمت استاد کرتے ہیں

ہر فن، ہر علم، ہر ہنر استاد کے بغیر ادھورا ہے۔ کسی نے کا خوب کہا ہے:

دیکھا نہ کوہ کن کوئی فرہاد کے بغیر

آتا نہیں ہے فن کوئی استاد کے بغیر

استاد غم خوار، استاد رہبر، استاد ہمدم ہوتا ہے۔ استاد قوم بناتا ہے، استاد قوموں کا معمار ہوتا ہے۔

رہبر بھی یہ ہمدم بھی یہ غم خوار ہمارے

استاد یہ قوموں کے ہیں معمار ہمارے

استاد انسان کو تراشتا ہے، استاد نکھارتا ہے، استاد اس کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ معاشرہ کے اندر سُرخرو ہو، معاشرہ کے اندر کامیابیاں سمیٹے اور معاشرہ سیدھے راستے پر گامزن کرے۔

راقم الحروف آج جس مقام پر بھی ہے اس میں میرے شیخ و مربی، میرے استاد، میرے والد محترم حضرت مولانا خادم حسین صاحب مدظلہ العالی کا اور میرے تمام اساتذہ کی محنت اور ان کی دعاؤں کا ثمر ہے۔ اگر دو سطور میں اپنے اساتذہ کے بارے میں لکھوں تو یہ شعر میرے اساتذہ کی شخصیت پر موزوں ٹھہرتا ہے۔

جن کے کردار سے آتی ہو صداقت کی مہک

ان کی تدریس سے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں

دعا گو ہوں اللہ پاک ہم سب کو اساتذہ کرام کی خدمت، ادب و احترام اور ان سے ہمیشہ سیکھتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے اساتذہ کا سایہ ہم پر قائم ودائم فرمائے۔ آمین ثم آمین

نظام الملک طوسی کا مدرسہ

مولانا محمد منیب الرحمن صدیق

نظام الملک طوسی نے مدرسہ کافی شاندار بنایا تھا۔

کسی نے بادشاہ وقت کو اطلاع دی کہ جناب اس مدرسے میں تو سب بچے دنیادار ہیں۔

کسی کو اللہ کی رضا کی فکر نہیں ہے۔

بادشاہ نے جب یہ سنا تو غصے میں آگیا اور کہا اگر ایسی بات ہے تو مجھے اتنے دینار خرچ کرنے کا فائدہ کیا، بند کر دیا جائے یہ مدرسہ۔

لیکن پھر دل میں خیال آیا کہ چلو ایک بار میں دیکھ لیتا ہوں کہ کیا ہو رہا ہے۔

بادشاہ وقت مدرسے میں بھیس بدل کر داخل ہوا دیکھا کچھ لڑکے پڑھ رہے تھے اس نے سلام کیا اور بچوں میں بیٹھ گیا۔

ایک بچے سے کہا "آپ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

بچے نے جواب دیا: "میرا والد مفتی ہے میں اس لیے پڑھ رہا ہوں کہ والد کی جگہ سنبھال سکوں"۔

بادشاہ نے سنا تو کہا: "ٹھیک ہے اچھا کر رہے ہو۔

دوسرے بچے سے کہا" بیٹے تم یہاں کیوں آئے ہو"؟

اس بچے نے جواب دیا"میرا والد فلاں جگہ قاضی ہے میں بڑا ہو کر انکا عہدہ سنبھالوں گا"۔

تیسرے بچے سے بھی سوال کیا تو اس نے جواب دیا" بادشاہ وقت علماء کی قدر کرتا ہے لہذا میں بڑا ہو کر عالم بنوں گا"۔

بادشاہ نے جب یہ بات سنی تو کہا واقعی یہ تو سب کے سب دنیادار ہے مجھے اتنا پیسہ دنیاداروں پر خرچ نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ ارادہ لیکر جب باہر نکل رہے تھے تو دروازے کے ساتھ ایک بچے کو بیٹھا ہوا پایا جو چراغ کی روشنی میں کتاب پڑھ رہا تھا۔

"السلام علیکم" بادشاہ نے کہا۔

"وعلیکم السلام" بچے نے جواب دیا اور کتاب پڑھنے لگا۔

"بچے کیا آپ میرے ساتھ بات نہیں کرنا چاہتے" بادشاہ نے کہا۔

"میں یہاں باتیں کرنے نہیں آیا" بچے نے کتاب پڑھتے ہوئے کہا۔

"تو بچے آپ یہاں پھر کیوں آئے ہیں؟" بادشاہ اسکے قریب بیٹھا گیا۔

"میں یہاں ایک مقصد لیکر آیا ہوں اپنے رب کی رضا کا مقصد مجھے نہیں معلوم میں اپنے رب کی رضا کیسے پاؤں گا لیکن واحد زریعہ اپنے رب کی رضا پانے کا جو ہے وہ یہ کتابیں ہیں لہذا میں یہاں کتابیں پڑھنے آیا ہوں کہ اپنے رب کی رضا کا راز جان سکوں" بچے نے کتاب سے ذرا بھی سر نہ اٹھایا اور سبق پڑھتے ہوئے بادشاہ کو جواب دیا۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ بچہ کون تھا؟ تاریخ دنیا آج اس انسان کو امام غزالی کے نام سے جانتی ہے، نظام الملک نے جو مدرسہ بنایا تھا۔ کہنے کو تو وہ ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ اس مدرسے سے سلطان صلاح الدین ایوبی جیسا عظیم لیڈر بھی فارغ التحصیل ہوا تھا۔

نامور محدث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ کا اسلوبِ تدریس

عبدالرحمٰن سلیم جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

اسلام نے شروع دن سے ہی تعلیم و تعلم پر زور دیا ہے، اقرأ علم بالقلم سے شروع ہونے والا وحی کا سلسلہ جو تقریبا ۲۳ سال پر محیط رہا، اس میں وقتاً فوقتاً مختلف انداز سے تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا، یہ تعلیم ہی کی برکات تھیں کہ وہ صحرا نشین عرب جن کی زندگی آپس کے جنگ وجدل، انساب واحساب پر فخر، اور تجارت کے لیے مختلف ممالک کے سفر کے گرد گھومتی تھی، وہی لوگ جب اسلام کی آغوش میں آئے تو عالم انسانیت کو امن وامان کا درس دیا، تعلیم کو عام کیا، جگہ جگہ ماہرین فن اساتذہ نے درس وتدریس کے حلقے لگائے، تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم کے دروس اسلامی ممالک میں مختلف مقامات پر شروع ہوئے، تعلیم کا عمومی رواج مسلم معاشرہ میں عام ہوا، جہالت کے اندھیرے رفتہ رفتہ معاشرے سے ختم ہونا شروع ہوئے۔

شرعی تعلیمات کے بنیادی ماخذ میں سے دوسرا ماخذ احادیث مبارکہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے، اس ذخیرہ کی حفاظت اور صیانت کی خاطر جو محدثین نے محنتیں اور ریاضتیں کی ہیں تاریخ میں مثال ملنا مشکل ہے، قرآن کریم کی طرح احادیث کی تدوین میں بھی انتہائی احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا، تحقیق کے جو معیارات انسانی ذہن کے سامنے آسکتے تھے، ان سب کو سامنے رکھا گیا ہے، یہ کیوں نہ ہوتا جبکہ اس کی دعوت اور تعلیم خود قرآن مجید سے ملتی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (الحجرات: 1)

ترجمہ: "اے ایمان والوں، اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے (جس میں کسی کی شکایت ہو) تو (بدون تحقیق کے اس پر عمل نہ کیا کرو، بلکہ اگر عمل کرنا مقصود ہو تو) خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچادو، پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے "(مولانا اشرف علی تھانوی بیان القرآن)۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی اس کے متعلق تعلیمات ملتی ہیں، حضرت اسامہ ابن زیدؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک جنگ میں صبح کے وقت حملہ کیا، دشمن نے ڈر کے مارے پسپائی اختیار کی، صحابہ نے ان کی جماعت کا پیچھا کیا، اسی دوران حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ہاتھ ایک آدمی آیا، جس نے لاالہ الا اللہؐ کہا، ان کا گمان تھا کہ اس نے ڈر کے مارے کلمہ پڑھا ہے، اس لیے انھوں نے اسے قتل کر دیا، جب یہ واقعہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سنایا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

کیا کلمہ پڑھنے کے باوجود بھی اس کو قتل کر دیا؟!!

حضرت اسامہ نے عرض کیا کہ اس نے موت کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا، دل سے نہیں پڑھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کیا تم نے لاالہ الا اللہؐ پڑھنے کے باوجود اس کو قتل کر دیا؟! کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر نہیں دیکھا، معلوم ہو جاتا کہ خوف سے کہا ہے) یا دل سے کلمہ پڑھا ہے (أبو بكر عبد اﷲ بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكويف) ت ٥ ٣ 2ھ-(،»المصنف«، الرياض– السعودية، دار كنوز إشبيليا للنشر والتوزيع، تحقيق: سعد بن ناصر بن عبد العزيز أبو حبيب الشثري، 67/18۳، رقم ۳۳۱۱، باب: »فيما يمتنع به من) من القتل (وما هو؟ وما يحقن الدم؟

قرآن و حدیث اس قدر تحقیق کے بعد امت تک پہنچے، بلکہ وہ رجالِ کار جنہوں نے اس علم کے ساتھ اشتغال رکھا، ان کی زندگی کے حالات بھی امت تک پہنچے۔

تدریس دیگر فنون کی طرح ایک فن ہے، جس کا سیکھنا ازبس ضروری ہے، کہ کس طرح طالب علم کے ذہن میں آسانی سے فن کی باتوں کو اتارا جائے، مختلف درجے کی ذہنیتوں کا لحاظ رکھا جائے، اسلوبِ بیان کا خیال رکھا جائے، فنی مباحث کے حل پر توجہ دی جائے، طلبہ کے سوالات کے تشفی بخش جوابات دیے جائیں اور فن کی اہم کتب کا تعارف کرایا جائے۔

مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی بر صغیر کی انہی شخصیات میں سے ہے، جنھوں نے اپنے طرز تدریس میں تحقیقی اسلوب کو اختیار کیا، تحقیقی طرزِ اسلوب سے حاصل کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔

تدریس میں تحقیقی طرز کے فوائد:

۱: علم کا شوق اور رغبت پیدا ہوتی ہے۔

۲: استعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳ : تلاش و جستجو کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۴: فن میں رسوخ حاصل کرنے میں معاون کا کردار ادا کرتا ہے۔

۵: فن سے متعلقہ کتب کا خصوصاً اور دیگر فنون کی کتابوں کا عموماً تعارف ہو جاتا ہے۔

۶: کتابوں سے انسیت ہو جاتی ہے۔

۷۔ متنوع کتابوں کی طرف رجوع کرنے سے مختلف گوشے دماغ میں آتے ہیں۔

۸: مختلف کتابوں کی مراجعت سے مباحث کی گوناگوں جہات سامنے آتی ہیں، نیز بکھرے مباحث کو یکجا کرنا اور ان سے درست نتیجہ نکالنا آسان ہو جاتا ہے۔

۹: مشکل مباحث کے حل کرنے سے لذت و سرور حاصل ہوتا ہے، جو انسان کو علمی زندگی میں آگے سے آگے بڑھنے پر آمادہ کرتا ہے۔

۱۰ : علمی مباحث میں مشغولیت، فکری انتشار سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی کا خاندانی پس منظر:

مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی نے ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۸۶۴ء ریاست ٹونک (راجپوتانہ) میں ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولی (محمد عامر الصدیقی الطونکی، ››حیاۃ العالمۃ المحدث حیدر حسن خان الطونکی‹‹، طونک، الھند۔۱۹۹۹ء، معھد مولانا أبي الکلام آزاد للبحوث العربیۃ والفارسیۃ، راجستان، ص 9)، بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے، ان کے والد صاحب کا نام مولانا احمد حسن خاں تھا، ان کے بزرگ "بونیر" (خیبر پختونخواہ، پاکستان) سے نجیب آباد (انڈیا) میں آکر رہ گئے تھے، ان کے دو بڑے بھائی مولانا محمد

حسن خاں اور مولانا محمود حسن خاں تھے، مولانا محمد حسن خاں کو فقہ میں انتہائی کمال حاصل تھا، موصوف ریاست ٹونک کے مفتی مقرر ہوئے، جبکہ مولانا محمود حسن بھی غیر معمولی قابلیت کے حامل تھے، انہوں نے "معجم المصنفین" تصنیف کی، جس میں آغاز اسلام سے لے کر مصنف کے زمانہ تک مسلمان مصنفین کے حالات قلمبند کیے ہیں، جس کے متعلق بعض محققین کا اندازہ ہے کہ وہ ٦٠ جلدوں اور ٢٠٠٠٠ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں تقریباً ٤٠،٠٠٠ علماء کی حالاتِ زندگی کو قلمبند کیا گیا ہے، اس کی ٤ جلدیں مملکت آصفیہ (حیدر آباد، دکن۔انڈیا) سے شائع ہو چکی ہیں، اسی طرح "اصول توارث" پر ایک پر مغزر سالہ بھی زیبِ قرطاس کیا(محمد عامر الطونکی، ››حیاۃ العالمۃ المحدث حیدر حسن خان الطونکی‹‹، ص ٩٥۔)۔

مولانا حیدر حسن خاں کا بھائیوں میں تیسرا نمبر تھا، جو ہمارے اس عنوان کی زینت ورونق ہیں، چوتھے بھائی مولانا مظہر حسن خاں تھے، جو علمِ الالسنہ اور عربی ادب میں یدِطولی رکھتے تھے، عرصہ تک میسور کے ایک کالج میں پروفیسر رہے، پانچویں بھائی مولانا حکیم مسعود حسن خاں تھے، موصوف بھی عالم فاضل اور طبیب تھے۔ مفتی ولی حسن خاں ٹونکی $ جو پاکستان کے مفتی اعظم اور جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں شیخ الحدیث بھی رہے، مولانا محمد حسن خاں کے پوتے اور مولانا محمود حسن خاں کے بھتیجے تھے۔

مولانا حیدر حسن خاں کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے، جنہیں اللہ نے علم کے حصول اور استفادہ کے لیے پیدا کیا تھا۔ نو عمری سے جوانی تک خوب محنت سے علم حاصل کیا، زندگی کے شب وروز علمی مصروفیتوں میں صرف ہوتے، اس غرض سے لاہور، دہلی، بھوپال غیرہ مختلف شہروں کی خاک چھانی، علوم میں محض رسمی تکمیل پر اکتفانہیں کیا، بلکہ مروجہ علوم میں کمال درجہ کی مہارت پیدا کی۔

تدریسی زندگی کی ابتدا:

اسلامی تاریخ میں ہمیشہ صاحبِ فن کی قدر کی جاتی رہی ہے، امت نے ہمیشہ ایسے اہلِ علم کی صلاحیتوں کا لوہا مانا ہے جنھوں نے کسی بھی فن میں اختصاصی صلاحیتیں حاصل کی ہوں، اور اُس فن میں مہارتوں کے مالک ہوں۔ ریاستِ ٹونک کے سرپرست صاحبزادہ عبدالرحیم کے دینی جذبہ نے علومِ دینیہ اور فنونِ عقلیہ میں مدرسہ ناصریہ کو یکتائے روزگار بنادیا تھا، ان کی اسی قدردانی کی بدولت ماہرین فنون، ذی استعداد مدرسین کشاں کشاں یہاں آنے لگے۔

مولانا حیدر حسن خاں نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز اسی مدرسہ سے کیا، مولاناا گرچہ نوآموز تھے، لیکن بہت جلد ہی ان کی صلاحیت اور استعداد کے جوہر کھل کر سامنے آنے لگے، ‹‹مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید›› خوشبو وہ ہے جو سر

چڑھ کر اپنا وجود منوائے، عطر فروش کو اس کے گیت گانے کی ضرورت نہ ہو)، تھوڑے ہی دنوں میں ان کی فنی مہارت اور قوتِ تدریس کی دھوم مچ گئی، ٹونک اگرچہ اہلِ کمال کا مرکز تھا، بڑے بڑے جید علما مسندِ تدریس پر جلوہ افروز تھے تو دوسرے طرف خود مدرسہ ناصریہ بھی اہل کمال کا مرکز تھا ایسے کسی نئے آدمی کی دال گلنا مشکل تھی، مگر چند ہی دنوں میں سر برآوردہ اور برسوں کے منجھے ہوئے اساتذہ ان کی استعداد کے قائل ہو گئے، نتیجۃً اطراف واکناف سے طلبہ کھچ کھچ کر آنے لگے۔

ندوۃ العلماء سے وابستگی:

دار العلوم ندوۃ العلماء عرصہ سے کسی مشہور استاذِ حدیث اور ماہرِ فن استاد کا متلاشی تھا، ۱۹۲۱ء میں شیخ محمد عرب (خلف الرشید شیخ حسین ابن محسن انصاری) کے استعفیٰ کے بعد سے شیخ الحدیث کی جگہ خالی تھی، مولانا حکیم سید عبد الحئیؒ کا دور نظامت چل رہا تھا، وہ خود شیخ حسین کے شاگرد رشید تھے، ان کی نظر اپنے استاذ بھائی مولانا حیدر حسن خاں کی طرف گئی، جن سے وہ ٹونک سے واقف تھے، اور ان کے کئی عزیز بھی ان کے شاگرد رہ چکے تھے، حکیم صاحب، مولانا کے علم وفضل، تقوی اور مہارت فن سے خوب واقف تھے، انہوں نے مولانا کو ان کے شاگرد عزیز مولانا سید طلحہ حسنیؒ کی وساطت سے ندوہ آنے اور شیخ الحدیث کا عہدہ قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن صاحبزادہ عبد الرحیم خاں جیسے عالی حوصلہ رئیس اور قدرداں کے دل کو تکلیف پہنچانا ان کے مذہب میں رَوانہ تھا، عرصہ سے اُدھر سے اصرار، اِدھر سے انکار جاری رہا، بالآخر صاحبزادہ عبد الرحیمؒ کے انتقال کے بعد مولانا نے ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ بمطابق اگست ۱۹۲۱ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء کی پیشکش کو قبول فرمایا اور حدیث کی بڑی کتابیں مولانا کے سپرد ہوئیں۔

ندوۃ العلماء میں تدریس کی ابتدا ۱۹۲۱ء سے ہوئی، جس میں درمیان میں کچھ حالات کی ناسازی کی وجہ سے ندوۃ العلماء سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی، پھر ۱۹۲۳ء میں دوبارہ ندوہ سے متعلق ہوئے، یوں یہ سلسلہ تدریس ۱۹۴۰ء تک ۱۷ سالوں پر مشتمل رہا۔

حضرت کے تلامذہ میں سے مشہور مولانا ابو الحسن علی ندوی، مولانا عبد السلام قدوائی ندوی، مولانا عمران خان ندوی، مولانا احمد جعفری ندوی رحمہم اللہ شمار ہوتے ہیں، اور ہمارے اساتذہ کے استاذ مولانا عبد الرشید نعمانیؒ بھی حضرت کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، انہوں نے حضرت سے خوب استفادہ کیا اور ان کے اسلوبِ تحقیق اور منہج کو اپنایا اور اپنے تلامذہ کے ذریعے اس کے احیاء کا ذریعہ بنے۔

اندازِ تدریس:

مولانا نے حدیث کی کتابیں شیخ محسن یمانی $ سے پڑھی تھیں، اور ان کے اسلوبِ تدریس سے انتہائی متاثر تھے۔ آپ نے بھی اسی اسلوب کو اپنی تدریس میں اپنایا، اس اسلوب کو درجہ ذیل نکات میں سمیٹا جاسکتا ہے:

۱۔ مآخذ کی آگاہی:

کسی بھی فن میں گہرائی اور گیرائی حاصل کرنے کے لیے اس کے مآخذ سے واقفیت ناگزیر امر ہے، خصوصًا اس فن کے بنیادی مآخذ جنہیں (primary sources) کہا جاتا ہے، اسی طرح طالب علم کی نظر اس فن کے ثانوی مآخذ پر بھی ہو۔ مولانا کو مآخذ کی آگاہی اور ان کے مراتب کی ذہن نشینی پر کمال حاصل تھا، طلبہ کو ان سے شناسا کرا دیتے تھے۔

۲۔ آدابِ مطالعہ:

طلبہ کو جہاں مصادرِ اصلیہ اور فرعیہ سے متعارف کراتے، وہیں انہیں مطالعہ کا طریقہ بھی بتلاتے، مثلاً: مطالعہ کس طرح کیا جائے؟ اسے کس طرح محفوظ کیا جائے؟ کس طرح کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیا جائے؟ مطالعہ کے وقت کن آداب کو پیش نظر رکھا جائے؟ وغیرہ۔

۳۔ اندازِ بیان:

مولانا فقہی مسائل میں مذہبِ حنفیت کے دلائل کے لیے محض کتبِ فقہ پر اکتفاء کے بجائے کتبِ حدیث کا بھی انتخاب کرتے، اس سے جہاں ایک طرف طلبہ کے دل میں حنفیت کی عظمت میں اضافہ ہوتا تو دوسری طرف حنفیت پر جو آثار سے انحراف اور قیاس واجتہاد پر اکتفاء کی تہمت لگائی جاتی رہی ہے، نفی ہوتی، دیگر طبقات ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ احناف، احادیثِ ضعیفہ سے استدلال کرتے ہیں، جبکہ دیگر فقہاء اسی باب میں احادیثِ صحیحہ کو اپنا مستدل بناتے ہیں، ایسے مقامات میں مولانا کتبِ حدیث سے ہی ان کا جواب دیتے، جو تحقیقی اصولوں پر مبنی ہوتا۔

۴۔ وسعتِ مطالعہ:

کسی بھی فن میں اختصاص حاصل کرنے کے لیے مسلسل بنیادوں پر اس کا مطالعہ ضروری ہے، شب وروز اس کے مذاکرہ و مطالعہ میں بسر ہوں، مولانا نے چونکہ اپنی ذات کو شروع ہی سے علمی مصروفیات کے لیے وقف کر رکھا تھا، زندگی کا

اوڑھنا بچھونا، علم اور مدرسہ کی چہار دیواری تھی، اس کا اثر تھا کہ مولانا کا مطالعہ اتنا وسیع و عمیق ہوتا کہ جن ابواب میں موافق دلائل ملنے کا گمان بھی نہیں ہوتا، ان سے اپنے مسلک کی تائید میں روایات نکال لیتے تھے، مثلاً: اوقاتِ نماز، تراویح کی رکعات کی تعداد، صاع کی مقدار وغیرہ اور اس طرح کے بیسیوں مسائل میں ان کی تحقیق و تلاش اُن کی وسعتِ نظر کا پتہ دیتی تھی۔

۵۔ حقیقت اور عقیدت:

طلبہ کرام میں عام طور پر اساتذہ کی عقیدت و احترام کا عنصر کبھی افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے اگر کسی استاذ سے عقیدت و محبت ہو تو اس کی ہر بات حرفِ آخر سمجھنے لگتے ہیں، طرہ یہ کہ بعض اوقات عقیدت کے جوش میں ان کی کسی غلط بات کو بھی صحیح بات کا جامہ پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے، مولانا کا مزاج اس کے بر خلاف تھا، وہ "حقیقت، عقیدت سے بالاتر" کے اصول پر عمل پیرا تھے، تحقیق کے میدان میں کسی بھی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے، اور نہ ہی عقیدت کی بنیاد پر کسی کا دعوی بے دلیل تسلیم کرتے تھے۔

٦۔ اصولِ حدیث سے اعتناء:

سلسلہ بحث میں اصولِ حدیث کے مباحث زیرِ بحث آجاتے، اس بارے میں ان کا ذوق بہت بلند تھا، اصولِ حدیث کی متداول کتابوں کے علاوہ نادر نسخے بھی ان کے پیش نظر ہوتے۔

۷۔ طلبہ کو اہم نصیحت:

طلبہ سے کہا کرتے تھے:

مخالف کے دلائل، مخالف کی زبان سے سن کر سمجھ لو، جو لوگ ثانوی ذرائع سے معلومات حاصل کرتے ہیں، بسا اوقات انہیں دھوکہ ہو جاتا ہے، اور وہ مخالفین کی طرف ایسے خیالات منسوب کر دیتے ہیں، جنہیں وہ بھی تسلیم نہیں کرتے۔

۸۔ حنفیت کے دلائل اکٹھے کرنا:

مولانا کا شمار متصلب حنفیہ میں ہوتا ہے، اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ صرف عقیدت کی بنیاد پر وہ پکے حنفی تھے، بلکہ ان کا تصلب دلائل و شواہد کی بنیاد پر تھا۔ وہ موافق و مخالف ہر نوع کی تصانیف سے جس قدر ممکن ہوتا، دلائل جمع کرتے، اور طلبہ کو اُن دلائل سے آگاہ کرتے۔

۹۔ فقہاء کے مناہج کی جان کاری کرانا:

میدانِ تحقیق میں کتابوں کا تعارف جس قدر وسیع ہو گا، محقق کی تحقیق میں اسی قدر توسع و تنوع ہو گا، جس طرح کتب کا تعارف ضروری ہے اسی طرح ان کے مناہج کی واقفیت بھی بے حد ضروری ہے، علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی طرح مولانا کے اسلوبِ تدریس میں ہمیں یہ پہلو نظر آتا ہے کہ وہ اپنے درس میں حدیث کے بڑے بڑے ائمہ اور فقہاء کے خیالات سامنے لاتے، اُن کی اہم تصانیف ذکر کرتے، ان کے طرزِ استدلال سے واقف کراتے، ان کے نہج کا طریقہ اور انداز بتاتے۔

۱۰۔ تحقیقِ رواۃ کا منہج:

احادیث کے راویوں کے حالات کے لیے میزان الاعتدال، تذکرۃ الحفاظ، تھذیب التھذیب اور لسان المیزان کو تنقیدی نظر سے پڑھتے تھے، متقدمین کی کتابوں میں ان کی سند تلاش کرتے تھے، فرماتے تھے: "راوی کی توثیق و تضعیف ایک اجتہادی معاملہ ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک راوی، ایک محدث کے یہاں ضعیف ہو، جبکہ دوسرے کے یہاں وہ وجہ باعثِ ضعف نہ ہو، غرضیکہ جرح و تعدیل میں راوی کے حالات کے لیے تفصیلی مطالعہ ضروری ہے، صرف نقلِ اقوال پر اکتفا کرنا درست نہیں"۔

۱۱۔ اسلوبِ تحقیق میں تنوع:

مولانا کا طرزِ تحقیق صرف حدیثی اور فقہی مباحث کے ساتھ خاص نہ ہوتا، بلکہ اگر کسی لفظ کے سمجھنے کی نوبت آتی تو ائمہ لغت اور علمائے معانی و بیان کی اہم تصانیف کھلتیں، کلام عرب سے استشہاد ہوتا، الفاظ کی حقیقت اور مختلف زبانوں میں اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی جاتی، بڑی تحقیق اور تفتیش کے بعد کوئی رائے قائم کی جاتی۔

۱۲۔ مختلف مسالک کے طلبہ کی شرکت:

مولانا کے طرزِ تحقیق میں وسعت اور ندرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے درس میں چاروں فقہ سے تعلق رکھنے والے طلبہ اور غیر مقلد بھی طلبہ شریک درس ہوتے، فرماتے تھے: «دلائل کو سمجھ کر کوئی رائے قائم کرو، ہاں میں ہاں مت ملایا کرو»، بلکہ سطحی سوچ رکھنے والے طلبہ کے بجائے ان کو زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے، جو غور و خوض، بحث و تحقیق کے عادی تھے۔ سطحی سوچ رکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ اس انداز سے اکابر سے انسان بد ظن ہو جاتا ہے، حالانکہ اُن کی یہ سوچ غلط فہمی پر مبنی تھی، بزرگوں کی تعظیم، اسلاف کا احترام، محدثین کی عزت اور فقہا کا ادب ہمیشہ ملحوظ رہا۔ یہ بات ان کے ذہن و دماغ میں

بس چکی تھی کہ اکابر ہوں یا اصاغر، متقدمین ہوں یا متاخرین، سب کی تعظیم کرنی چاہیے، لیکن ایک عالم کے کو دلائل پر ہمیشہ نظر رہنی چاہیے۔

اس کا نتیجہ تھا کہ ان کے طلبہ میں زورِ تحقیق موجزن نظر آتا ہے، وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے، کسی کی بات لینے یا چھوڑنے میں ہمیشہ تحقیق کو سامنے رکھتے ہیں اور شخصیات سے متاثر ہو کر کبھی کوئی رائے قائم نہیں کرتے۔

نوٹ: یہ مضمون مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی کتاب: ‹‹مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی›› اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ‹‹پرانے چراغ›› (جلد اول ص ۱۷۷-۱۵۹) سے تیار کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی کہانی،اعدادوشمار کی زبانی:

مسلمان ساری دنیا میں پسماندہ کیوں ہیں ؟ مغربی ممالک ان پر حکمرانی کیوں کر رہے ہیں ؟ مسلم ممالک میں جمہوریت کے بجائے مغرب کی کٹھ پتلی سرکاریں کیوں آتی ہیں ؟ تیل، عرب ملکوں میں نکلتا ہے اور اس کی قیمت مغرب ممالک طئے کرتے ہیں ،ایسا کیوں ؟ ان تمام سوالوں کا جواب یہ ہے کہ مسلمان تعلیم میں پیچھے ہیں جبکہ سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں یورپی مما لک چھائے ہوئے ہیں۔ آج دنیا پر وہی راج کرتا ہے جس کے پاس علم اور سائنس وٹکنالوجی کی دولت ہوتی ہے۔

آج مسلمان ممالک میں تیل پیدا ہوتا ہے اور اس سے حاصل شدہ دولت عیش وآرام پر خرچ کی جاتی ہے مگر تعلیم اور سائنس وٹکنالوجی پر خرچ نہیں کی جاتی۔ عرب ممالک چاہیں تو دنیا میں علمی انقلاب لا سکتے ہیں مگر وہ عوام کو تعلیم یافتہ نہیں بنانا چاہتے۔اعداد وشمارے بتاتے ہیں کہ بائیس عرب ملکوں میں جس قدر ترجمہ اور تالیف کے کام ہوتے ہیں اس سے زیادہ صرف یو رپ کے ایک چھوٹے سے ملک یونان میں ہوتے ہیں۔ایک رپورٹ کے مطابق پوری عرب دنیا میں سالانہ تین سو کے قریب کتابوں کا ترجمہ ہوتا ہے جبکہ صرف یونان میں اس کا پانچ گنا زیادہ ترجمے کا کام ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عرب

ملکوں میں ترجمہ کی جانے والی کتابوں میں مذہبی اور مسلکی نوعیت کی کتابیں بڑی تعداد میں ہوتی ہیں۔ سائنس وٹکنالوجی اور ماڈرن علوم پر جو کام ہوتا ہے وہ تقریباً صفر ہے۔

تعلیمی اداروں کی کمی:

دنیا کے ۵۷ مسلم ممالک جو کہ آرگنائزیشن آف اسلامک کوآپریشن (oic) کے ممبر ہیں ان میں کل 600 سے کم یونیورسٹیاں ہیں، جب کہ اکیلے بھارت میں 8407 چھوٹی بڑی یونیورسٹیاں ہیں اور امریکہ میں 5758 یونیورسٹیاں ہیں۔ اور آئی سی کی آبادی 1,4 ملین سے زیادی ہے۔ اسی کے ساتھ ایک مایوس کن سچائی یہ بھی ہے کہ 2004ء میں شنگھائی جیاؤ تونگ یونیورسٹی نے دنیا کی ۵۰۰ ٹاپ یونیورسٹیوں کی رینکنگ کی تھی مگر مسلم ورلڈ کی ایک بھی یونیورسٹی اس میں جگہ حاصل نہین کر سکی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم ورلڈ میں تعلیم کا معیار کیا ہے ؟ یہ بھی خیال رہے کہ کہ مسلم ممالک یونیورسٹیوں میں جدید علوم سے زیادہ اسلام، عربی اور لٹریچر پر توجہ دی جاتی ہے۔ حالانکہ خالص اسلامی علم کہنا بھی مناسب نہیں ہوگا کیونکہ ان ممالک کے اسلامی علوم پر بھی مسلک حاوی ہے۔ جہاں ایران جیسے مسلم ممالک کی یونیورسیٹوں میں شیعیت پر زور دیا جاتا ہے وہیں سعودی عرب جیسے ممالک میں سلفیت پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ ی ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کو گمراہ اور صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا سمجھتے ہیں اور یہ شدت پسندی یہاں کے فارغین کے ذریعے مزید آگے بڑھ رہی ہے۔ دوسری طرف افغانستان اور افریقی ممالک خواندگی میں عالمی سطح پر سب سے زیادہ پسماندہ ہیں۔

دنیا کی ٹاپ یونیورسٹیاں اور مسلم دنیا:

اس وقت دنیا بھر میں سب سے بہتر امریکہ اور برطانیہ کی یونیورسٹیاں ہیں۔ دنیا کی ٹاپ ۲۰ یونیورسٹیوں میں ۱۹، انگریزی بولنے والے والے ممالک میں ہیں۔ صرف ایک ETC Zurich اس سے باہر کی ہے۔ یہ سوئزرلینڈ کی یونیورسٹی ہے۔

ایشاء کی سب سے اعلیٰ یونیورسٹی، آف ہانگ کانگ، عالمی ریکنٹ میں ۲۳ ویں نمبر پر ہے جب کہ آسٹریلین نیشنل یونیورسٹی ۲۴ ویں اور نیشنل یونیورسٹی آف سنگاپور ۲۵ ویں مقام پر ہے۔ یونورسٹی انڈ نیشیا دنیا کی ٹاپ ۳۰۰ یونیورسٹیوں میں شامل ہے مگر اس کا معیار دن بدن گرتا جارہا ہے اور یہ ۲۱۷ نمبر سے کھسک کر ۲۷۳ ویں نمبر پر آگئی ہے۔

مسلمانوں میں خواندگی کی شرح:

دنیا بھر کے مسلمانوں میں صرف چالیس فیصد خواانده ہیں، باقی ٦٩ فیصد ان پڑھ ہیں۔ جو ۴۰ فیصد خوانداہ ہیں ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو صرف اپناد ستخط کر سکتے ہیں جبکہ ۲۰۰۵ عیسوی کی ایک رپوٹ کے مطابق دنیا بھر میں ۸۷ فیصد عیسائی پڑھے لکھیں ہیں۔ ۱۷ مسلم ممالک میں آدھی سے زیادہ بالغ آبادی پڑھنا لکھنا نہیں جانتی ہے۔ ان ممالک میں ان پڑھوں میں ۷۰ فیصد مسلم خواتین شامل ہیں۔ تیونس کو مرکز بنا کر کام کرنے والے ادارے Alecso کی ایک رپورٹ کے مطابق عرب مالک میں ہر تین میں سے ایک شخص ناخواندہ ہے جبکہ خواتین میں سے ۵۰ فیصد پڑھنا لکھنا بالکل نہیں جانتی ہیں۔ مسلم بچوں کی ایک بڑی تعداد آج بھی اسکول نہیں جانتی اور OIC۱۷ ممالک میں لگ بھگ ٦۰ فیصد بچے پرائمری سطح پر ہی اسکول چھوڑ دیتے ہیں۔ ۵۷ مسلم ممالک میں صرف ۲٦ ملک ایسے ہیں جہاں لڑکوں اور لڑکیوں کے اسکول جانے کا تناسب برابر ہے۔

سعودی عرب میں تعلیم کی ابتر حالت:

سعودی عرب میں خواندگی پر زور دیا جارہا ہے مگر تعلیم پر نہیں۔ نتیجے کے طور پر یہاں خواندگی کی شرح ۸٦ فیصد تک پہنچ گئی ہے اور بعض رپورٹوں میں دعویٰ کیا گیا ہے یہاں خواندگی کی شرح ۹٦ فیصد ہے مگر تعلیم کا حال یہ ہے کہ خود اسکول اور ٹیچرز بھی آن لائن کے طریقے کا معیار اس قدر معمولی ہے کہ دنیا کے کسی ملک سے اس کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تک کہ، سعودی عرب میں کام کرنے والے ہندوپاک کے لوگ یہاں اپنے بچوں کی تعلیم کے تعلق سے فکر مند رہتے ہیں۔ یہاں اسکولی نصاب میں دینی یا مسلکی مٹریل غالب ہے۔

قرآن کی اشاعت پر ہر سال حکومت کی طرف سے کئی ملین ڈالر خرچ کئے جاتے ہیں مگر مختلف علوم کی طرف سرکار کی اس قدر توجہ ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پورے ملک میں صرف ۲۵۰ لائبریریاں ہیں اور ان میں بھی دو ہزار چھ تک خواتین کا داخلہ ممنوع تھا۔ یہاں سائنسی موضوعات ریسرچ و تحقیق زیرو ہے۔

حالانکہ سعودی عرب کی دولت سے دنیا بھر میں ہزاروں دینی مدارس پروان چڑھ رہے ہیں۔ نیز امریکہ ویورپ کے بینک آباد ہیں۔ تیل پیدا کرنے والے ممالک کے پاس اس قدر دولت ہے کہ وہ چاہیں تو دنیا بھر میں اعلیٰ معیار کی ہزاروں یونیورسٹیاں کھڑی کردیں مگر آج تک انہوں نے ڈھنگ کا پرائمری اسکول بھی قائم نہیں کیا۔

پاکستان میں مسلمانوں کی علمی حیثیت:

پاکستان میں بھی تعلیمی شرح اچھی نہیں ہے اور شہروں کے مقابلے دیہاتوں میں زیادہ تعلیمی پسماندگی ہے۔ یہ دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے جہاں لٹریسی کی شرح سب سے کم ہے۔ پاکستان کی وزارت تعلیم کی ایک رپورٹ کے مطابق یہاں ۶۳ فیصد افراد خواندہ ہیں۔ خواندگی کی شرح الگ الگ علاقوں میں مختلف ہے۔ اسلام آباد میں جہاں ۹۶ فیصد ہے خواندگی کی شرح، وہیں کوہلو ضلع میں یہ محض ۲۸ فیصد ہے جو پاکستان کا سب سے کم خواندہ ضلع ہے۔ قانونی طور پر ۵ سے ۱۶ سال کی عمر کے بچوں کے لیے تعلیم لازمے جس کا انتظام سرکار کے ذمہ ہے مگر اب تک یہ قانون عملی شکل میں دکھائی نیں دیتا۔ ۱۵ سے ۲۵ سال کی عمر کے نو جوان لڑکوں میں خواندگی کی شرح محض ۷۹ فیصد ہے جب کہ اس عمر کی لڑکیوں میں یہ محض ۵۹ فیصد ہے۔ حالانکہ ساری دنیا میں تیزی سے لٹریسی ریٹ بڑھ رہی ہے اور پرانے لوگ پڑھے لکھیں یا نہیں مگر نئی نسل تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ پاکستان میں نئی نسل میں بھی ایک بڑا طبقہ ناخواندہ رہ جاتا ہے۔ یہاں اسکولوں کے صورت رت حال سے تعلیم کی حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محض ۶۵ فیصد اسکولوں میں ہی پینے کا پانی میسر ہے اور ۶۲ فیصد میں ہی ٹوائلیٹ ہے۔ محض ۶۱ فیصد اسکولوں میں بانڈری وال ہے باقی ۳۹ فیصد اسکولوں تک ہی بجلی پہنچ پائی ہے۔ حالانکہ یہاں بھی اکثر بجلی غائب رہتی ہے۔ پاکستان کے وہ علاقے جو سیلاب یا تشدد سے متاثر ہیں وہاں لاکھوں بچوں کو اپنی تعلیم کی قربانی دینی پڑ رہی ہے۔

بھارت میں مسلمان تعلیم میں پیچھے:

بھارت میں پہلی بار ۲۰۰۱ء میں مذہبی بنیاد پر یہاں کے لوگوں کے اعداد وشمار سرکاری طور پر جمع کیے گیے۔ اس میں سامنے آیا کہ یہاں کے سبھی شعبوں مس مسلمان دوسرے بھارتیوں کے مقابلے تعلیم میں پسماندہ ہیں۔ یہاں قومی سطح پر مسلمانوں میں خواندگی کی شرح محض ۵۵ فیصد ہے جب کہ عام شیریوں میں خواندگی کی شرح تقریبا ۶۵ فیصد تھی۔ یہاں مسلم خواتین ۴۱ فیصد خواندہ ہیں جبکہ ملک میں باقی خواتین میں یہ شرح ۴۶ فیصد ہے۔ یہ تو قومی سطح کی بات تھی لیکن اگر گاؤں اور شہر کو الگ الگ دیکھے تو گاؤں کے مسلمان تعلیمی طور پر زیادہ پسماندہ ہیں۔

بھارت میں اس وقت جو خواندگی کی شرح بڑھ رہی ہے اور نئی نسل پڑھ لکھ رہی ہے اس میں بھی مسلمانوں کا تناسب دوسرے کے مقابلے کم ہے۔ یہاں قومی سطح پر لٹریسی ریٹ ۱۷ فیصدی رفتار سے بڑھ رہی ہے جب کہ مسلمانوں کے اندر یہ محض ۱۵ فیصد کی رفتار سے بڑھ رہی ہے۔ یہاں مسلمانوں کا ڈرافٹ آوٹ ریٹ غیر مسلموں کی بنسبت زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب سے زیادہ مسلم طلبا درمیان میں ہی تعلیم کا سلسلہ توڑ دیتے ہیں۔

مغرب ممالک کے مسلمان:

یورپ اور امریکہ میں جو مسلمان رہتے ہیں وہ بھی یہاں کے مقامی لوگوں کے مقابلے تعلیم اور روزگار میں پسماندہ ہیں۔ ان میں سے بیشتر تاریک وطن یا ان کے بچے ہیں، ڈنمارک ہجرت کرکے آنے والوں میں سے ۱۰ سال تک کہ دو تہائی عرب بچے نا خواندہ پائے گیے۔ بعد میں جب ان بچوں کی تعلیم شروع ہوئی تب بھی ان کا سائنس، میتھ وغیرہ میں رجحان کم دیکھا گیا اور وہ اپنے کلامیٹ دوسرے بچوں سے بھی پیچھے رہے ممکن ہے اس کے پیچھے ان کے والدین کی کم علمی اور گھر کا ماحول بھی ذمہ دار رہا ہو یہ بات صرف ڈنمارک کی نہیں ہے بلکہ یورپ اور امریکی ممالک میں عام طور پر عرب بچے وہاں کے مقامی بچوں سے تعلیم میں پیچھے پائے گئے ہیں، برطانیہ میں کام کرنے والے مسلمانوں میں ۳۳ فیصد کے پاس کوئی ڈگری نہیں ہے (یو این این) (بشکریہ سالار ۲۷/اکتوبر ۲۰۲۰)

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ہمارے اسلاف

عصمت اللہ نظامانی جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

اسلام میں والدین کا احترام، ان کی اطاعت وفرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر "وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا" اور "وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ" جیسے کلمات نازل فرماکر والدین کے ساتھ حسن سلوکی کا حکم دیا ہے، اور کئی احادیث میں برّ الوالدین کی فضیلت واہمیت کا ذکر آیا ہے، جنہیں جمع کرنے کے لیے ایک بڑا دفتر بھی ناکافی ہوگا، چنانچہ ان آیات واحادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے اسے فرضِ عین قرار دیا ہے، جیساکہ علامہ کاسانیؒ بدائع الصنائع میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

لأن بر الوالدين فرض عين فكان مقدما على فرض الكفاية۔ (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع للكاساني،)89/7 ،)الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط:6041ھ- 6891م)

ترجمہ: چونکہ برالوالدین (والدین کی فرمانبرداری) فرضِ عین ہے، لہٰذا فرض کفایہ پر مقدم ہوگی۔

نیز اہلِ علم نے صرف مباح امور میں بر الوالدین (والدین کی فرمانبرداری) لازم قرار نہیں دی، بلکہ مشتبہ امور (جن سے احتراز کرنے کی ترغیب دی گئی ہے) میں بھی والدین کی فرمانبرداری واجب قرار دی گئی ہے، چنانچہ امام غزالی رقم طراز ہیں:

أكثر العلماء على أن طاعة الأبوين واجبة في الشبهات۔ (إحياء علوم الدين للغزالي، 269/2،)الناشر: دار المعرفة، بيروت)

ترجمہ: اکثر اہل علم اس موقف پر ہیں کہ والدین کی اطاعت مشتبہات (مشتبہ امور) میں بھی واجب ہے۔

اور علامہ قرافی مالکیؒ نے برالوالدین سے متعلق صحیح مسلم کی ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد یہاں تک فرمایا ہے:

فجعل - عليه السلام - الكون مع الأبوين أفضل من الكون معه۔ ۔ ۔ وإذا نص النبي - عليه الصلاة والسلام - على تقديم صحبتهما على صحبته - عليه السلام - فما بقي بعد هذه الغاية غاية۔ (الفروق للقرافي : أنوار البروق في أنواء الفروق للقرافي،)ا/411 ،)الناشر: عالم الكتب، بيروت)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ ہونے کو اپنی معیت سے افضل قرار دیا ہے۔۔۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی صحبت کو اپنی صحبت پر مقدم ہونے صراحت کی ہے تو اس حد کے بعد کوئی انتہاء ہی نہیں رہی۔

چنانچہ برّالوالدین یعنی ماں باپ کی اطاعت وفرمان برداری اور ان کے حسن سلوک کی اہمیت کے پیشِ نظر ہمارے اسلاف یعنی صحابہ کرام اور دیگر اکابرینِ امت نے اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک وفرمانبرداری کی وہ مثالیں پیش کیں کہ تاریخ جن کی نظیر لانے سے قاصر ہے۔

وہ مجسّم اطاعت وفرمانبردار تھے۔ والدین کی ہر بات ان کے نزدیک حکم کا درجہ رکھتی تھی، اور ان کی خواہش وچاہت پوری کرنا ہمارے اسلاف کا نصبِ العین تھا، چاہے اس کے لیے مال ودولت قربان کرنا پڑے۔

والدین کے سامنے بلند آواز سے بات کرنا گناہ خیال کرتے۔ ان کے لیے پوری رات جاگنا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ الغرض والدین کی فرمانبردای کو انہوں نے ہر چیز سے مقدم رکھا۔ جائز امور میں ان کی نافرمانی کا تصوّر بھی نہیں کرتے تھے۔

امراء وسلاطین کی نگاہیں جن کے سامنے جھکی رہتی تھیں، وقت کے حکمران جن کی خدمت اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے، ہمارے وہ اسلاف اپنے والدین کے سامنے سراپا عجز اور مجسّم فرمانبرداری بن جاتے۔ ذیل میں انہیں اسلاف کے اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، اطاعت اور فرمانبرداری کے واقعات ذکر کیے جارہے ہیں، تاکہ ہم بھی ان کے نقشِ قدم پر چل والدین کی خدمت کرکے جنت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرسکیں۔

حضرت حارثہ بن نعمانؓ کا حسنِ سلوک:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے بہت فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے،ان کی فرمانبرداری کی گواہی حضورﷺ نے بھی دی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں اپنے آپ کو جنت میں دیکھا،اور وہاں قرائت کی آواز سنی، میں نے دریافت کیا کہ یہ کس کی قرائت ہے؟ جواب ملا کہ حارثہ بن نعمان کی قرائت ہے۔اس پر نبی کریمﷺ نے فرمایا:

كذاك البر، كذاك البر، كذاك البر، وكان من أبر الناس بأمه۔ (السنن الكبرى للنسائي، 202/7) ،رقم الحديث: 9671 ،الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط:6026ھ- 2446م)

ترجمہ:اسی طرح فرمانبرداری ہوتی ہے،(تین بار یہ جملہ فرمایا)،اور وہ تمام لوگوں سے زیادہ اپنی والدہ کا فرمانبردار تھا۔

نیز حضرت حارثہ بن نعمان کی فرمانبرداری سے متعلق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

كان يفلي رأس أمه، ويطعمها بيده، ولم يستفهمها كلاما قط تأمر به حتى يسأل من عندها بعد أن يخرج، ماذا قالت أمي؟۔ (البر والصلة البن الجوزي،)ص:90 ،)الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية- بيروت، ط:6062ھ- 6882م)

ترجمہ: حضرت حارثہ اپنی والدہ کے سر سے جوئیاں تلاش کرتے،اور اس کو اپنے ہاتھ سے کھلاتے،اگر وہ انہیں کوئی حکم دیتی تو وہ دوبارہ ان سے نہیں پوچھتے تھے،بلکہ سمجھ نہ آنے کی صورت میں باہر نکل کر دوسرے فرد سے سوال کرتے کہ میری والدہ نے کیا کہا تھا؟

حضرت ابوہریرہؓ کا حسنِ سلوک:

حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی والدہ کا عمر رسیدگی کا زمانہ پایا تھا، چنانچہ وہ اپنی والدہ کی بہت خدمت وفرمانبرداری کرتے تھے۔ ابن عساکر وغیرہ نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جب بھی گھر سے باہر جانے کا ارادہ کرتے تو کپڑے وغیرہ زیبِ تن کرکے اور تیار ہو کر اپنی والدہ کے پاس آتے اور کہتے:

السلام عليك يا أمتاه ورحمة الله وبركاته، جزاك الله عنى خيرا كما ربيتني صغيراً

ترجمہ: امی جان! آپ پر سلامتی، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت ہو، اور اللہ تعالیٰ آپ کو میری طرف سے بہترین بدلہ دے، جیسا کہ آپ نے بچپن میں میری پرورش کی تھی۔

والدہ بھی انہیں اسی طرح جواب دیتیں اور دعائیہ کلمات کہتیں۔ اور حضرت ابوہریرہؓ جب واپس لوٹتے تب بھی والدہ کے پاس آکر اسی طرح کہتے۔(تاریخ دمشق البن عساکر،)218/17،)الناشر: دار الفکر للطباعة والنشر، ط:6061ھ-6881م)

نیز محمد بن سیرین حضرت ابوہریرہؓ کی ایک عجیب اور عمدہ دعا نقل کرتے ہیں کہ وہ یہ دعا مانگتے تھے:

اللهم اغفر لأبي هريرة، ولأمي، ولمن استغفر لهما

ترجمہ: اے اللہ! ابوہریرہ اور اس کی والدہ کی مغفرت فرما۔ اور جو ان دونوں کے لیے دعائے مغفرت کرے تو اس کی بھی مغفرت فرما۔

چنانچہ محمد بن سیرین اپنے تلامذہ وغیرہ کو کہتے کہ ہم بھی ان دونوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، تاکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی دعا میں داخل ہو سکیں۔(األدب المفرد للبخاري،)ص:29،)الناشر: دار البشائر اإلسالمية- بيروت، ط:6048ھ-6898م)

حضرت اسامہ بن زیدؓ کا حسنِ سلوک:

حضرت اسامہ بن زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ زید بن حارثہ کے فرزند ہیں، ان کے والد کا انتقال جوانی میں ہی ہو گیا تھا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ اپنی والدہ کے نہایت فرمانبردار اور خدمت گزار تھے، چنانچہ ان کا مدینہ منورہ میں کھجور کا ایک عمدہ درخت تھا، جس کی قیمت ایک ہزار تھی، حضرت اسامہؓ نے اس کا گودا نکالنے کے لیے اسے کاٹ دیا۔ جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

إن أمي اشتهته علي، وليس شيء من الدنيا تطلبه أمي أقدر عليه إلا فعلته۔ (مكارم األخالق البن أبي الدنيا،)ص:71،)الناشر: مكتبة القرآن، القاهرة)

ترجمہ: میری والدہ کو اسے (گودہ) کھانے کی خواہش کی تھی، اور دنیا کی ہر وہ چیز جس کی میری والدہ خواہش کرے، اور میں اس پر قادر بھی ہوں تو وہ میں ضرور وہ حاصل کروں گا۔

حضرت حجر بن عدیؓ کا حسنِ سلوک:

حضرت حجر بن عدیؓ بھی اپنی والدہ کا بہت احترام کرتے، اور اس کی ضروریات و حوائج کا خیال رکھتے تھے، چنانچہ جب بھی اپنی والدہ کو بستر پر لٹاناہوتا تو پہلے پورے بستر پر ہاتھ پھیر کر دیکھتے کہ کہیں سے سخت یا ابھرا ہوا تو نہیں، اگر ایسی کوئی چیز محسوس ہوتی تو اسے درست کرتے اور پھر اپنی والدہ کو بستر پر لٹاتے تھے۔(تاریخ دمشق الابن عساکر، 262/62)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا حسنِ سلوک:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اپنی والدین کے اطاعت گزار تھے، احادیث میں ان کی فرمانبرداری کے متعدد واقعات مذکور ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ وہ "گراز گوش" پر سوار ہو کر کہیں جارہے تھے کہ ایک دیہاتی ملا، حضرت ابن عمرؓ نے اس کو سلام کیا اور اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کر اپنا عمامہ عطا کیا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ یہ دیہاتی تھوڑے پر بھی راضی ہو جاتے ہیں، (لہٰذا اس پر اتنی عنایت کرنے کی کیا ضرورت تھی)، اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا:

إن أبا هذا كان ودا لعمر بن الخطاب، وإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن أبر البر صلة الولد أهل ود أبيه۔ (صحي حلم، كتاب البر والصحلة واداب، باب صحلة أصحدقاء األب واألم ونحوهما،)6878/0،)رقم الحديث: 2112 ،الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت)

ترجمہ: اس کا والد میرے والد عمر بن خطاب کا دوست تھا، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ بہترین فرمانبرداری بیٹے کی اپنے والد کے دوست واحباب سے صلہ رحمی کرنا ہے۔

امام ابو حنیفہ کا حسنِ سلوک:

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ کی، فقاہت، علمی مقام اور دینی خدمات سے کون ناآشنا ہوگا؟ وہ اپنے والدین کے نہایت فرمانبردار تھے۔ علمی مشغولیت میں انہاک کے باوجود اپنی والدہ کے کام خود کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ امام صاحب کے محلے کی ایک مسجد میں "زرعہ" نامی ایک قصہ گو اور واعظ رہتا تھا، اور کافی مشہور تھا۔ ایک مرتبہ امام صاحب کی والدہ کو کوئی مسئلہ پیش آیا تو امام صاحب نے اس کا جواب بتایا، لیکن اس عمر رسیدہ خاتون نے کہا:

لا أقبل إلا ما يقول زرعة القاص

ترجمہ: میں وہی بات قبول کروں گی جو زرعہ نامی واعظ کہے گا۔

چنانچہ امام ابو حنیفہؒ اپنی والدہ کو اس شخص نے پاس لے کر گئے، اور فرمایا کہ میری والدہ آپ سے مسئلہ پوچھنا چاہتی ہے۔ وہ بیچارہ صرف واعظ تھا، علم فقہ سے اس کا تعلق نہیں تھا، اس لیے اتنے بڑے فقیہ کے سامنے بغیر علم کے کیسے مسئلہ بتا دیتا۔ امام صاحب اس کی پریشانی بھانپ لی، اور مسئلے کا حل بیان کر کے فرمایا کہ میں نے اس طرح جواب دیا تھا۔ اس پر زرعہ واعظ کہنے لگا: "القول کما قال أبو حنیفة" یعنی جیسے امام ابو حنیفہؒ نے کہا، ویسا ہی جواب ہے۔ یہ سن کر امام صاحب کی والدہ راضی ہو گئیں۔ (تاریخ بغداد للخطیب، (212/62،)الناشر: دار الکتب العلمیة- بیروت، ط: 6067ھ)

جب امام ابو حنیفہؒ کو عہدۂ قضا قبول نہ کرنے پر کوڑے مارے گئے تھے تو ان کی والدہ کو بہت صدمہ اور دکھ ہوا تھا۔ اس وقت بھی امام صاحب کو اپنے جسمانی اَلم سے زیادہ اپنی والدہ کا غم تکلیف دہ معلوم ہو رہا تھا، چنانچہ وہ فرماتے تھے:

ما شيء محنت به أشد علي من غم أمي حين ضربت۔ (أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري،)ص:12 ،)الناشر: عالم الكتب- بيروت، ط:6041هـ- 6891م)

ترجمہ: میری جن چیزوں سے آزمائش کی گئی، ان میں سے کوئی چیز بھی میری والدہ کے غم سے زیادہ مجھ پر بھاری نہیں تھی، (جو ان کو مجھے کوڑا لگائے جانے کے وقت پہنچا تھا)

محمد بن سیرین کا حسنِ سلوک:

مشہور و معروف محدث ہیں، خوابوں کی تعبیر کے سلسلے میں ان کو بلند مقام حاصل تھا۔ محمد بن سیرین بھی اپنے والدین کے بہت فرمانبردار تھے۔ ان کی والدہ کو رنگ والے کپڑے پسند تھے، چنانچہ عید وغیرہ پر جب وہ اپنی والدہ کو کپڑے دیتے تو بہترین، نرم و ملائم کپڑے رنگ کرا کر دیتے تھے۔ جیسا کہ حفصہ بنت سیرین نے اپنے بھائی کے بارے میں کہا ہے:

وكان محمد إذا اشترى لها ثوبا اشترى ألين ما يجد لا ينظر في بقائه

ترجمہ: محمد بن سیرین جب اپنی والدہ کے لیے کپڑے خریدتے تو جو سب سے زیادہ نرم پاتے (جس کے باقی رہنے کی امید نہیں ہوتی تھی)، وہی خریدتے تھے۔

بلکہ محمد بن سیرین کے اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک، فرمانبرداری اور عزت و احترام کے بارے میں یہاں تک آیا ہے:

إذا كان عند أمه لو رآه رجل لا يعرفه ظن أن به مرضا من خفضه كلامه عندها۔ (الطبقات الكبرى البن سعد،)609/7 ،)الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ظ:6064ھ- 6884م)

ترجمہ: جب محمد بن سیرینؒ اپنی والدہ کے پاس ہوتے اور کوئی اجنبی شخص انہیں دیکھتا تو والدہ کے پاس آہستہ آواز سے بات کرنے کی بناپر وہ گمان کرتا کہ محمد بن سیرین بیمار ہے۔

محمد بن منکدرؒ کا حسنِ سلوک:

مشہور محدث ہیں۔ شاید ہی علم حدیث کا کوئی طالبِ علم ان سے ناواقف ہو۔ وہ علمی مشغولیت کے ساتھ عابد بھی تھے، اسی کے ساتھ اپنی والدین کے نہایت فرمانبردار بھی تھے، بلکہ ان کی خدمت کو تہجد اور قیام اللیل سے بھی افضل جانتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا:

بات أخي عمر يصلي وبت أغمز قدم أمي وما أحب أن ليلتي بليلته۔

ترجمہ: میرے بھائی عمر نے پوری رات نماز پڑھتے گزاری اور میں نے اپنی والدہ کے پاؤں دباتے رات گزاری، لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میری اس رات کے بدلے مجھے بھائی کی رات کا ثواب ملے۔

اسی طرح ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنا رخسار زمین پر رکھ کر کہتے: "یا أم، ضعي قدمک علیه" ماں جی! اپنے پاؤں اس پر رکھیے۔ (تاریخ الإسالم للذھبي،)121/2،)الناشر: دار الغرب الإسالمي، ط:2442م)

منصور بن معتمر کا حسنِ سلوک:

منصور بن معتمر ایک نیک اور صاحبِ علم شخص تھے، اور اپنی والدہ کے نہایت فرمانبردار اور ان کے ساے ج حسنِ سلوک کرنے والے تھے۔ دوسری طرف ان کی والدہ کی فطرت اور طبیعت میں تیزی تھی، وہ ان کو سخت ڈانٹتی تھی، اور لوگوں کے سامنے بھی انہیں ڈانٹنے سے گریز نہیں کرتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ وزیر ابنِ ہبیرہ نے انہیں قضاء کا عہدہ پیش کیا تو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر ان کی والدہ ان پر چیخنے لگی، اور انہیں سخت سست سنانے لگی۔ مشہور محدث ابو بکر بن عیاش بھی اس وقت وہاں موجود تھے، وہ اس موقعے پر منصور بن معتمر کی حالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وهو واضع لحيته على صدره ما يرفع طرفه إليها۔(سير أعالم النبالء للذهبي،)624/1 ،)الناشر: دار الحديث- القاهرة، ط:6027ھ- 2441م)

ترجمہ: منصور بن معتمر اپنا سر جھکائے، داڑھی (ٹھوڑی) سینے پر رکھے ہوئے تھے، اور اپنی والدہ کے سامنے پلکیں بھی نہیں اٹھائیں۔

مسعر بن کدام کا حسنِ سلوک:

مسعر بن کدام ایک بلند پایہ محدث تھے، اور اپنی والدہ کے نہایت فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے، ایک مرتبہ ان کی والدہ نے رات کو پانی مانگا، وہ برتن میں پانی بھر کر لائے، لیکن ان کی والدہ سو چکی تھیں۔

مسعر بن کدام نے انہیں جگانا پسند نہیں کیا، اور وہاں سے چلے جانا بھی گوارا نہیں کیا کہ کہیں ان کی والدہ بیدار ہو کر اس کو تلاش نہ کرے، " فلم یزل قائما والإناء معه حتی أصبح (مكارم الأخلاق البن أبي الدنيا،)627/1،)الناشر: دار أطلس الخضراء- الرياض، ط:6022ه-2422م)" لہٰذا ہاتھ میں برتن اٹھائے صبح تک وہاں کھڑے رہے۔

حضرت مسعر بن کدام کی والدہ عبادت گزار تھیں، چنانچہ وہ کبھی مسجد جا کر بھی عبادت کرتی تھیں، جب وہ مسجد جاتیں تو مسعر بن کدام ان کا نمدہ (مصلی وغیرہ) اٹھاتا، اور اپنے ساتھ انہیں مسجد لاتا، اور وہاں نمدہ اور قالین بچھاتا دیتا، جس پر ان کی والدہ نماز پڑھتی تھیں، اور پھر کچھ دیر کے بعد دوبارہ والدہ کے پاس آکر نمدہ لپیٹتا اور انہیں گھر واپس لاتا۔ (الطبقات الكبرى البن سعد،)201/1،)الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط:6064ه- 6884م) حضرت مسعر والدہ کی اس طرح خدمت کرتے تھے، جبکہ وہ ایک بڑے محدث بھی تھے۔

کہمس بن حسن کا حسنِ سلوک:

حضرت کہمس بن حسنؒ علم و عمل دونوں کے جامع تھے، اور اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والے اور فرمانبردار تھے، ایک مرتبہ اپنی والدہ کے ساتھ گھر میں موجود تھے کہ ایک بچھو گھر کے ایک سوراخ میں گھس گیا، انہوں نے اپنی انگلیاں ڈال کر مارنا چاہا تو اس نے انہیں ڈس دیا۔

ان سے اس طرح کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو کہنے لگے:

خفت أن تخرج، فتجيء إلى أمي تلدغها۔ (سير أعالم النبالء للذهبي،)267/1،)الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط:6041ه- 6891م)

ترجمہ: مجھے ڈر لگا کہ کہیں وہ نکل کر میری والدہ کو جا کر ڈس نہ لے۔

عبداللہ بن عون مزنی کا حسنِ سلوک:

مشہور و معروف محدث اور تابعی ہیں، احادیث کی نشر و اشاعت میں ان خدمات کسی سے مخفی نہیں ہوں گی۔ وہ اپنی والدہ کی بہت اطاعت و فرمانبر داری کرتے، اور ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ابنِ عون کی والدہ نے انہیں پکارا تو انہوں نے جواب دیا، لیکن آواز کچھ بلند ہو گئی تھی۔

اپنی والدہ کی آواز سے اپنی آواز بلند ہونے پر انہیں بہت صدمہ ہوا، چنانچہ اس پر انہوں نے دو غلام آزاد کیے۔(تاریخ دمشق لابن عساکر،)201/26،)الناشر: دار الفکر للطباعة والنشر، ط: 6061ه-6881م)

زین العابدین علی بن حسین کا حسنِ سلوک:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند زین العابدین اپنی والدہ کے نہایت اطاعت گزار اور فرمانبر دار تھے، لیکن اپنی والدہ کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا تناول کرنے سے گریز کرتے تھے، جب ان سے اس بارے میں سول کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

أخاف أن تسبق يدي إلى ما سبقت إليه عينها فأكون قد عققتها۔ (وفيات األعيان البن خلكان،)219/2 ،)الناشر: دار صادر، بيروت (2))

ترجمہ: مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا ہاتھ اس لقمے کی طرف نہ چلا جائے جسے میری والدہ نے دیکھا ہو (اور اٹھانا چاہ رہی ہو) تو اس طرح میں ان کی نافرمانی کرنے والے ہوں گا۔

ظبیان بن علی ثوری کا حسنِ سلوک:

ظبیان بن علی ثوری ایک فرمانبر دار بیٹا تھا، اپنی والدہ کا حد سے زیادہ خیال رکھتا تھا، چنانچہ وہ اپنی والدہ کو مکہ مکرمہ لے کر جاتا، اور اگر گرمیاں ہوتیں تو ایک گڑھا کھود کر، اس میں چمڑے کا قالین بچھا کر پانی ڈالتا اور والدہ کو اس میں بٹھاتا تھا۔

ایک مرتبہ ان کی والدہ کسی بات پر ناراض ہو کر سو گئی تھیں، معافی مانگنے کے لیے انہوں نے جگانا پسند نہ کیا، اور بیٹھنا بھی گوارا نہیں کیا، چنانچہ اسی طرح کھڑے ہو کر رات گزاری۔(مکارم الأخلاق البن أبي الدنیا،)621/1))

ابن عمر بن ذر کا حسنِ سلوک:

عمر بن ذر کا فرزند بھی ان کا فرمانبردار اور انتہائی احترام کرنے والا تھا، چنانچہ علامہ ابن قتیبہ دینوری نے نقل کیا ہے کہ عمر بن ذر سے اس کے بیٹے کی فرمانبرداری اور حسنِ سلوک سے متعلق پوچھا گیا تو جواب دیا:

ما مشيت نهارا قط إلا مشى خلفي، ولا ليلا إلا مشى أمامي، ولا رقي سطلحا وأنا تحته۔ (عيون األخبار البن قتيبة،)666/2،)الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت، ط: 6069ھ)

ترجمہ: دن کے وقت وہ ہمیشہ میرے پیچھے چلتا ہے، اور رات کو آگے چلتا ہے، (تاکہ تکلیف دہ چیز ہٹائے) اور جب میں نیچے ہوں تو کبھی چھت پر نہیں چڑھتا۔

فضل بن یحیی برمکی کا حسنِ سلوک:

فضل بن یحیی برمکی اپنے والد کے ساتھ مثالی حسنِ سلوک کرتے تھے، ایک مرتبہ دونوں باپ بیٹے کو قید کر لیا گیا تھا، اور والد یحیی کی گرم پانی سے وضو کرنے کی عادت تھی۔ دوسری طرف سردیوں کی ایک رات میں جیل کے داروغے نے لکڑیاں اور دیگر ایندھن دینے سے انکار کر دیا تھا، لہٰذا رات کو جب یحیی سونے گیا تو ان کا بیٹا فضل برتن میں پانی بھر کر چراغ کے قریب کیا، "فلم يزل قائماوهو في يده حتى أصبح" صبح تک برتن ہاتھ میں لیے وہ اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر اس گرم پانی سے اس کے والد یحیی نے وضو کیا۔ جیل کے داروغے کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے دوسری رات وہاں سے چراغ اٹھا دیا۔ راوی کہتا ہے:

فبات الفضل متأبطا القمقم يدفئه لأبيه ليله أجمع۔ (سمط النجوم العوالي في أنباء األوائل والتوالي للعصامي،)048/2،)الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط:6068ھ- 6889م)

ترجمہ: فضل نے پانی کا برتن اپنی بغل میں دبا کر پوری رات گزاری، تاکہ والد کے لیے پانی گرم ہو سکے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف اپنے والدین کے ساتھ نہایت حسنِ سلوک کرتے تھے، اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری میں ادنی سستی و کوتاہی بھی برداشت نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے انتقال کے بعد بھی حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ان کی فرمانبرداری کرتے تھے، اور اس سلسلے میں انہوں نے ایسی مثالیں پیش کی ہیں کہ دیگر اقوام میں ان کی نظیر ملنا نا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر ارشاد فرمایا:

”اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی اللہ ہی فرماتا ہے اور برے اخلاق سے بھی وہی دور کرتا ہے۔“

فوائد:

اچھے اخلاق و آداب اپنانے اور گھٹیا عادات و حرکات نہ کرنے کی توفیق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتی ہے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے حسن اخلاق کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ ایک روایت میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کے لیے مندرجہ ذیل دعا فرمایا کرتے تھے:

” اللَّهُمَّ اهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ۔“ (صحيح مسلم : ٧٧١)

"اے اللہ! اچھے اخلاق کی طرف توہی رہنمائی کرتا ہے۔میری رہنمائی اچھے اخلاق کی طرف فرمااور برے اخلاق کو توہی دور کرتا ہے، مجھ کو برے حالات سے دور فرما۔"

اس دعا کے علاوہ بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کے لیے بے شمار دعائیں فرمایا کرتے تھے۔(سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ: ۳۲۵۵، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ: ۱/۸۹/۹۰)

موبائل پر قرآن کریم کی سورتوں کی رنگ ٹون لگوانا

کیا موبائل پر قرآن کریم کی سورتوں کی رنگ ٹون لگوانا صحیح ہے؟ قرآن اور حدیث کے حوالہ سے بتائیں۔

رنگ ٹون کا مقصد اس بات کی اطلاع دینا ہے کہ کوئی شخص آپ سے بات کرنے کا متمنی ہے، گویا یہ دروازہ پر دستک دینے کے حکم میں ہے، اس اطلاعی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قرآن پاک یا اذان کی آواز کو استعمال کرنا بے محل ہے، بلکہ ایک درجہ میں اس سے ان مقدس کلمات کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے، اسی بنا پر حضرات فقہاء نے اس طرح کے مقاصد میں کلمات ذکر کا استعمال ناجائز قرار دیا ہے، لہٰذا موبائل کی رنگ ٹون میں قرآن کی سورتوں وغیرہ کو فیڈ کرنا درست نہیں۔ موبائل میں صرف سادہ گھنٹی کی آواز ہی لگانی چاہیے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند فتوی: 545=494/ل

دل میں وہ "ہر آن ہے" ،اللہ اللہ
مومن کی "پہچان ہے، اللہ اللہ

روح اور جانِ جہاں ہے اللہ اللہ
دینِ حق ایمان ہے ،اللہ اللہ

اللہ اللہ " ہی کو " ہے دہرانا
میرا وردِ" زبان ہے اللہ اللہ

میں عشق میں "اُس کے" هوں دیوانہ
اُس پے سب " قربان هے اللہ، اللہ

بس اُس سے ہی " مانگنا " ہے مانگنا
وہ هی تو "سلطان هے اللہ اللہ

بس اُس کو ہی "پکارنا " ہے پکارنا
حل وہ دلِ "پریشان هے اللہ اللہ

اُس کو دل "میں بسانا " ہے بسانا
تسکینِ قلب و جان" هے اللہ اللہ

اسلام میں شیطان کا تصور بہت اہم ہے اور قرآن مجید میں اس کے بارے میں بار بار وضاحت کی گئی ہے۔ شیطان اسلامی تصور میں جنات میں سے ہوتے ہیں۔ انہیں ابلیس بھی کہا جاتا ہے۔

شیطان انسان کے دشمن ہیں اور وہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں شیطان کی بدعنوانی اور ان کے شریر منصوبوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اسلامی تصور میں شیطان انسان کو بدکاری کی طرف کھینچتے ہیں اور انہیں اپنے منصوبوں میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلام میں شیطان کو خدا کا دشمن بھی کہا جاتا ہے۔ شیطان کے خلاف لڑنا اسلامی عقیدے کا اہم حصہ ہے۔

اسلام میں شیطان کے شر سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو نماز، روزہ، زکات، حج، قرآن پڑھنا، دعا کرنے کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مقامات کی وضاحت کی جہاں شیطان انسان پر اثر انداز ہوتا ہے۔

1 - جہاں داخل ہوتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ نہ پڑھی جائے۔ (صحیح مسلم:5262)

2 - جہاں تلاوتِ قرآن مجید کا اہتمام نہ کیا جاتا ہو۔(صحیح مسلم:1824)

3 - جہاں اللہ کا ذکر نہ کیا جاتا ہو۔(سورہ الزخرف36، صحیح ابوداؤد:5077)

4 - جہاں نوافل کا اہتمام بالکل نہ کیا جاتا ہو۔(صحیح بخاری:3269، صحیح مسلم:1825)

5 - جہاں کھانا کھاتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ نہ پڑھی جائے۔(صحیح مسلم:5262)

6 - جہاں کھانا بائیں ہاتھ سے کھایا جائے۔(صحیح مسلم:5265)

7 - جہاں سوتے وقت دعا اور اللہ کا ذکر نہ کیا جائے۔(صحیح بخاری:3295،1142، السلسلۃ الصحیحۃ:264)

8 - جہاں رات کے داخل ہوتے وقت دروازے اور کھڑکیوں کو بند نہ کیا جائے۔(صحیح بخاری:3304)

9 - جہاں رات کے داخل ہوتے وقت بلاضرورت بچوں کو گھر سے باہر جانے دیا جائے۔(صحیح بخاری:5623)

10 - جہاں گھر میں اپنی اور مہمان کی ضرورت سے بڑھ کر بستر اور بچھونا ہو۔(صحیح مسلم:5452)

11 - جہاں تنہائی میں غیر محرم مرد و عورت کا اختلاط ہو۔(صحیح الترمذی:2165)

12 - جہاں میاں بیوی صحبت کے وقت دعا کا اہتمام نہیں کرتے۔(صحیح بخاری:7396، صحیح مسلم:3533)

13- جہاں بیت الخلاء میں جاتے وقت دعا نہ پڑھی جائے۔(صحیح ابوداؤد:6)
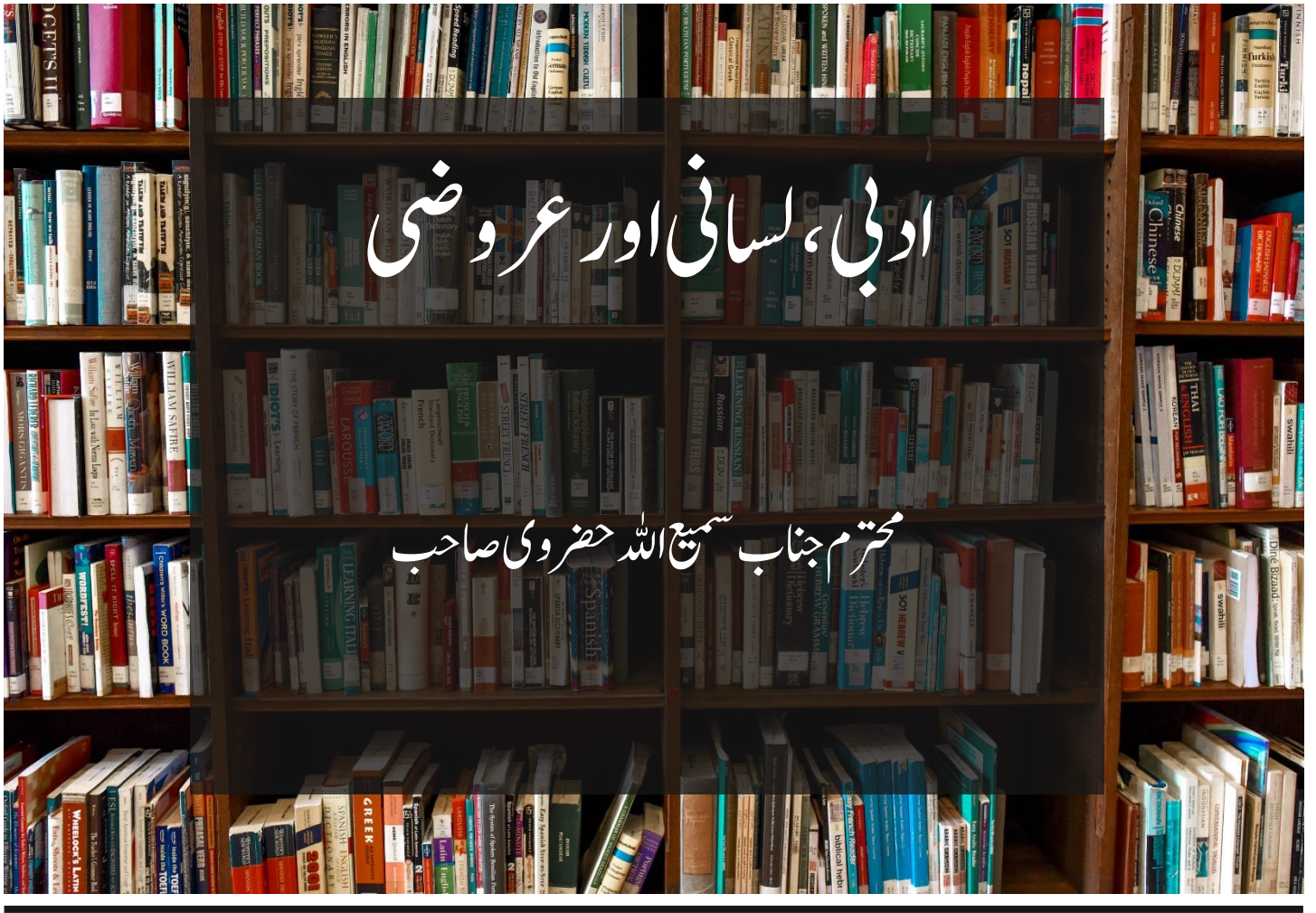
واولین، واو معروف، واو مجہول اور واو معدولہ کی مختصر ترین وضاحت

واولین:-

یہ وہ واو ہے جس کی ادائی ہمزہ (مفتوحہ) کی ہلکی سی آواز سے ہوتی ہے۔انگریزی میں اس کا املاء عام طور پر au کے ساتھ کیا جاتا ہے۔جیسے:

موت، جوت، صوت وغیرہ۔اب ان کی ادائی دیکھیے

موت(م۔وَ۔ت) maut

جوت(ج۔وَ۔ت)jaut

صوت(ص۔وَ۔ت)saut

واو معروف

وہ واو ہے جو خوب کھل کر یعنی واضح پڑھی جائے۔اس کی ادائی کے لیے ما قبل حرف پر ضمہ یعنی پیش لگائی جاتی ہے۔ جیسے:

ضرُور، سرُور، حضوُر، نُور وغیرہ۔

انگریزی میں اس کا املاء عام طور پر oo یا u کے ساتھ کیا جاتا ہے۔بہتر یہی ہے کہ oo کے ساتھ کیا جائے۔مثلاً

ضرور zuroor ، حضور huzoor، نور noor وغیرہ۔

واو مجہول:

وہ واو ہے جو کھل کر نہ پڑھی جائے۔اس کی ادائی کے لیے ما قبل حرف پر فتح (زبر) پڑھی جاتی ہے۔ جیسے:

غَور، شَور، زَور، چکور وغیرہ۔انگریزی میں اس کا املاء عام طور پر O سے کیا جاتا ہے۔دیکھیے

غور ghor، شور shor، زور zor، چکور chakor ۔

واو معدولہ:

یہ فارسی زبان سے ماخوذ ہے۔یہ مکتوبی ہے یعنی لکھی جاتی ہے لیکن پڑھی نہیں جاتی۔یہ صرف "خ" کے ساتھ آتی ہے۔ املاء میں اس واو کے نیچے چھوٹی سی لکیر لگائی جاتی ہے۔ جیسے:

خُود (خُد)، خواب (خاب)، خُوش (خُش)، خواہش (خاہش) وغیرہ۔

انگریزی میں اس کا املاء ما قبل حرف مفتوحہ aa کے ساتھ اور حرفِ مضموم کے ساتھ u سے کیا جانا چاہیے۔مثلاً

خواب khaab، خواہش khaahish ۔

خُوش Khush، خُود khud ،

خُوددار khud daar وغیرہ

ایک گزارش کہ واو کا درست املاء "ہمزہ" کے بغیر ہے لیکن مع ہمزہ کیا جاتا ہے۔اس کا چلن اتنا عام ہو چکا ہے اب غلط نہیں کہا جا سکتا۔

ادائی،ادائیگی

لفظ "ادا" عربی زبان سے ماخوذ ہے۔اس کا درست املاء ہمزہ(اداء) کے ساتھ ہے، لیکن اردو میں بغیر ہمزہ کے، لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔

ادا کا معنٰی کسی حکم کی تکمیل، قرض چکانا، کسی خیال کا(نثر یا نظم میں) بیان کرنا، نماز (مقررہ وقت پر) کی پڑھنا وغیرہ ہے۔

اداء کے ساتھ یاے کیفیت(ی) لگا کر اسمِ کیفیت 'ادائی" بنایا گیا ہے۔جو کہ عربی قواعد کی رُو سے درست ہے۔

ادائی؛چوں کہ پہلے ہی سے اسمِ کیفیت ہے،اب مزید فارسی کا لاحقۂ کیفیت "گی" بڑھا کر اسمِ کیفیت بنانا غلط ہو گا۔

اردو میں اس کا چلن غلط رواج پا گیا ہے۔

لٰہذا درست املاء "ادائی" ہی لکھنا چاہیے۔

نہ،نا، نہیں،ناں اور مت کا مختصراً بیان :

"نا" حرفِ نفی کے علاوہ حرفِ تاکید، حرف اثبات، حرفِ استفسار اور حسنِ کلام کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔جب کہ "نہ" حرفِ نفی ہے اور یہ "نا"(حرفِ نفی) کی تخفیفی حالت ہے اور اب اردو میں مستقل اسی املاء کے ساتھ بطور حرفِ نفی، مستعمل ہے۔

"نا" کا استعمال

:1 نا بھائی! ہم نہیں جائیں گے۔

1(الف)-نا بھائی! ضرور جائیں گے۔

اس جملے میں "نا" نفی کا ہے۔

2: تم جاؤنا۔

اس جملے میں "نا" حرفِ تاکید ہے۔

3: یہ کتاب ہے نا۔

اس جملے میں "نا" حسنِ کلام کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

4: آخر کام یاب ہو گیا نا۔

اس جملے میں "نا" اثبات کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

5: آخر تو ہے نا؟۔

اس جملے میں "نا" استفسار کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

"نا" اسی وقت حرفِ نفی ہو گا جب جملے کے شروع میں آئے گا۔

"نا" بطور سابقہ بھی حرفِ نفی مستعمل ہے۔ جیسے:

ناسمجھ۔ ناواقف۔ ناکردہ۔ نااہل۔ نادان۔ نادہندہ۔ ناراض وغیرہ۔

"نہ" اور نہیں کا استعمال

دونوں حروفِ نفی ہیں۔

اردو میں ان کا استعمال مختلف صورتوں میں کیا جاتا ہے۔

نہ آؤ! (حکم یا گزارش)۔

نہ سمجھے۔ (فعل مضارع)۔

اس نے نہیں دیکھا۔ (فعل ماضی مطلق) لیکن شعراء نے شعری ضرورت کے تحت "نہ" کا بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً

وہ تھا جلوہ آرا، مگر تم نے موسیٰ!

نہ دیکھا، نہ دیکھا، نہ دیکھا، نہ دیکھا (داغ دہلوی)

بعض اوقات فعل ماضی قریب اور فعل مستقبل (ایک ساتھ) میں بھی "نہ "استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے " وہ نہ آیا ہے، نہ آئے گا۔ وغیرہ

حرفِ نفی "نہیں "کا استعمال فعل حال مطلق، فعل ماضی اور فعل مستقبل میں:

وہ نہیں آتا یا وہ نہیں آتا ہے۔ (فعل حال)

وہ نہیں آرہا ہے۔ (فعل حال استمراری یا ناتمام)

وہ نہیں آیا۔ (فعل ماضی مطلق)

وہ نہیں آیا ہے۔ (فعل ماضی قریب)

وہ نہیں آرہا تھا۔ (فعل ماضی استمراری یا ناتمام)

وہ نہیں آیا ہو گا۔ (فعل ماضی شکیہ)

وہ نہیں آئے گا۔ (فعل مستقبل)

یاد رہے کہ "نہ "حرفِ نفی کے علاوہ حرفِ عطف کا بھی کام دیتا ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ بعض اوقات "نہ "کی جگہ "نا "کا استعمال کیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ مثلاً

1 - ناجانے اب کون آئے گا؟

2 - نہ میں نے کھانا کھایا اور ناہی پانی پیا۔

شمار 1 میں درست "نجانے "ہے جو نہ اور جانے کا مرکب ہے۔

نجانے اب کون آئے گا؟

شمار 2 میں "ناہی پیا" میں حرفِ نفی "نہ "آنا چاہیے۔

نہ میں نے کھانا کھایا اور نہ پانی پیا۔

ناں کا استعمال:

"ناں "یہ در حقیقت حرفِ نفی "نہ " ہے جس کی ادائی بطور حرفِ تاکید "ناں " کے طور پر بھی مستعمل ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بات زور دے کر یا تاکید کے ساتھ کہی جائے اس صورت میں اس کا انکار یا عطف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جیسے :

آیئے ! میرے ساتھ چلیے ناں۔

آج کا دن آرام کے ساتھ گزراناں۔

دیکھیے ناں ! وہ شرارت کرتا ہے۔

یاد رہے ! "ناں "کا استعمال دوسروں کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔

یہ در حقیقت "نہ "ہی ہے جس کی ادائی مع نون غنہ کی جاتی ہے۔

آسی ضیائی اپنے مضمون "اصلاحِ زبان "میں کہتے ہیں کہ بعض اوقات ہاں کے مقابل یا ساتھ ہم قافیہ بنا کر "نہ "کو ناں لکھا جاتا ہے۔ جیسے :

"تم نے میری بات کا ہاں ناں میں جواب نہیں دیا۔"

"میں نے کبھی تمھاری کسی خواہش پر ہاں سے ناں نہیں کی۔ "سیارہ ڈائجسٹ دسمبر 82ء

بہتر تو یہی ہے کہ "ناں "اپنے اصل املاء "نہ "ہی میں لکھا جائے جو کہ فصیح ہے۔

مت کا استعمال:

حرفِ نفی "مت "کا استعمال تاکید کے طور پر کیا جاتا ہے۔ جیسے :

1 - وہ نہ آئے۔

2 - وہ مت آئے۔

شمار 1 میں سادہ طور پر آنے سے روکا گیا ہے آگے رکنے والا اگر آنا چاہے تو اس کی مرضی۔

شمار 2 میں سختی یا تاکیداً روکا گیا ہے۔ اس طرح آنے والا نہیں آسکتا۔

کشتہ، کشتہ اور کشتہ

یہ تینوں الفاظ فارسی الاصل ہیں۔ ہر لفظ سے متعلق قدرے تفصیل پیش خدمت ہے۔

1 - کشتہ

یہ لفظ فارسی مصدر کَشیدن (کھینچنا) سے مشتق ہے۔ کشتہ اردو میں اپنے حقیقی معنوں کے ساتھ دخیل ہوا۔ اس کا معنٰی کھینچا۔ برداشت کیا وغیرہ۔

اسی سے کش بطور صفت اور فاعل بھی مستعمل ہے۔ اس کا معنٰی کھینچنے والا۔ برداشت کرنے والا وغیرہ ہے۔

اردو میں بطور لاحقہ فاعلی بھی مستعمل ہے۔ جیسے کہ

محنت کش (محنت کرنے والا)۔ جاروب کش (جھاڑو دینے یا مارنے والا)۔ خود کش (خود کو برداشت یا کھینچنے والا)۔

اس کے علاوہ اردو میں کش بطور مذکر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا معنٰی سگریٹ یا حقے کا دھواں منہ کے ذریعے اپنے اندر لے جانا ہے۔

کَشتی بھی اسی لفظ سے ہے۔ کیوں کہ اسے چپو کھینچ کر چلایا (آگے بڑھایا) جاتا ہے۔

2 - کشتہ

یہ فارسی زبان کے مصدر کُشتن (قتل کرنا) سے مشتق ہے۔ قواعد میں فعل ماضی مطلق ہے۔ اردو زبان میں اپنے حقیقی معنوں کے ساتھ دخیل ہوا۔ یہ اسمِ کیفیت ہے اور بلحاظِ جنس مذکر مستعمل ہے۔ اس کا معنٰی قتل۔ خون بہانا۔ خون ریزی وغیرہ ہے۔ اردو میں فارسی کے اثر سے کُشتہ (بحیثیتِ مفعول) بھی مستعمل ہے۔ اس کا معنٰی مارا ہوا۔ قتل کیا ہوا۔

طبّی اصطلاح میں کشتہ سے مراد وہ دوا ہے جو مختلف قسم کی دھاتوں وغیرہ کے اجزاء سے تیار کی جاتی ہے۔ کُشتگان جمع ہے۔ یعنی مارے ہوئے لوگ۔ مقتول وغیرہ۔

اردو میں کشی (اسمِ کیفیت) خود کے ساتھ بطور لاحقہ لگا کر لفظ خود کشی (اسمِ کیفیت) بنایا گیا ہے جس کا معنی خود کو قتل کرنا ہے۔ خود کش (اسمِ فاعل) خود کو قتل کرنے والا ہے۔

کُشتی بھی کُشتن سے مشتق ہے جو ایک مشہور کھیل ہے جس میں دو حریفوں (پہلوانوں) کے درمیان مقابلہ ہوتا ہے۔

3 - کشت

یہ اسمِ مجرد فارسی زبان سے اردو زبان میں داخل ہوا۔ قواعد کے لحاظ سے ظرفِ مکاں اور بلحاظِ جنس مونث ہے۔

اس کا معنیٰ کھیت۔ کاشت کی ہوئی زمین وغیرہ ہے۔

کارروائی

اکثر اوقات اردو میں کارروائی غلط املاء سے لکھا جاتا ہے یعنی کاروائی

کارروائی کی قواعد اور لغت کے حوالے سے تفصیل پیش خدمت ہے۔

کارروائی فارسی الاصل ہے یہ لفظ درحقیقت مرکب ہے جو مفرد کے طور پر مستعمل ہے۔ یہ کار اور روائی سے مل کر بنا ہے۔

کار

"کار" فارسی زبان کے مصدر کردن سے حاصلِ مصدر ہے۔ اردو میں اسمِ مذکر کے طور پر مستعمل ہے۔ کردن سے مراد کام کرنا۔ مزدوری (پیشہ) کرنا مراد لینا ہے۔

کار فارسی میں مختلف معانی میں مستعمل ہے۔ جیسے

کام۔ فعل۔ ہنر۔ مشغلہ۔ مصروفیت۔ پیشہ۔ مزدوری۔ صنعت۔ دست کاری۔ معاملہ۔ مسئلہ۔ حکم۔ شادی۔ شادی کی تقریب۔ کاشت کاری۔ جنگ۔ مقصد۔ مطلب۔ مراد وغیرہ۔

اردو میں کار۔ ہنر۔ مشغلہ اور کام کے معنوں میں مستعمل ہے۔

روائی یہ بھی فارسی الاصل ہے۔

روائی فارسی کے مصدر رفتن سے مشتق بطور فعل امر کے ساتھ "ا" لاحقہ فاعلی اور اس کے ساتھ ئی لاحقہ کیفیت لگا کر "روائی" اسمِ کیفیت بنایا گیا ہے۔ روائی کے معانی جائز۔ درست۔ حلال۔ مناسب۔ جاری۔ مکمل (کام وغیرہ)۔ پورا وغیرہ ہیں۔ اسی سے روا بھی ہے۔

اردو میں بھی روا ان ہی معنوں میں (درست۔ جائز۔ مناسب وغیرہ) مستعمل ہے۔

کار اور روائی دونوں حاصلِ مصادر کو ملا کر ایک لفظ کارروائی بنایا گیا ہے۔ کارروائی قواعد کے لحاظ سے اسمِ کیفیت ہے۔ اور جنس کے لحاظ سے موئنث ہے۔

کارروائی کے معانی کسی کام کا جاری ہونا یا کرنا۔ مطلب حاصل کرنا۔ مقصد بر آوری۔ کسی واقعے کی روئداد۔ صورت حال۔ کاروبار۔ کام۔ پیشہ۔ مقدمہ۔ کسی مقدمہ کی چارہ جوئی۔ مقدمے کی پیشی۔ وغیرہ۔

اس وضاحت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کار اور روائی دو الگ الگ الفاظ ہیں جنھیں ملا کر ایک لفظ کارروائی بنالیا گیا ہے۔

کارروائی اردو میں کام نکالنا۔ کام پورا کرنا۔ تعمیل۔ کسی واقعے یا مقدمے کی تفصیل بیان کرنا۔ معاملہ۔ کار گزاری۔ کسی مسئلے وغیرہ کے حل کرنے کی کوشش کرنا۔ مقدمات اور اس سے متعلق واقعات وغیرہ۔ ضروری ضابطہ عمل۔ شرارت۔ سازش ۔کارستانی۔ خفیہ منصوبہ۔ کسی کے خلاف گٹھ جوڑ وغیرہ کے معنوں میں مستعمل ہے۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اس کا درست املاء کارروائی ہی ہے۔ جب کہ کاروائی غلط املاء اور غلط العوام ہے۔

ایک بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اس لفظ میں "ر" کی تکرار ہے اس لیے "کار" اور "روائی" لکھتے وقت۔ "کار" کی ر کے بعد روائی معمولی سا فاصلہ دے کر لکھنا چاہیے۔ جیسے کار روائی۔

گلشن

یہ لفظ مرکب ہے، مفرد نہیں۔ قواعد کے لحاظ سے ظرفِ مکاں اور بلحاظ جنس، مذکر ہے۔

گلشن؛ گل اور شن کا مرکب ہے۔ یہ فارسی زبان سے ماخوذ ہیں۔ گل سے مراد پھول ہے۔ اگر صرف گل کہا جائے تو اس سے مراد گلاب ہوتا ہے اور اگر جمع یا مرکب کی صورت میں استعمال کیا جائے تو اس سے مراد پھول ہوں گے۔ اگرچہ اصل میں اس کا تلفظ گلِ شن ہے لیکن کثرتِ استعمال سے علامتِ اضافت حذف ہو گئی ہے۔ گویا فکِ اضافت سے گلشن بن گیا۔

گل سے مراد گلاب کا پھول، پھول ہے۔اس کے کئی دوسرے معانی بھی ہیں۔ جیسے:

داغ، نشان، چراغ کی بتی کا جلا ہوا سرا، حقے کا جلا ہوا تمبا کو، آنکھ میں پڑ جانے والا سیاہ دھبہ، پھانسی، محبوب، جسم پر کسی دھات کو گرم کر کے لگایا ہوا نشان، جوتوں پر لگایا جانے والا مصنوعی پھول وغیرہ۔

شن سے مراد تختہ، زمین، خوب صورت جگہ۔

عیاشی والی جگہ کو بھی شن کہا جاتا ہے۔

گلشن سے مراد پھولوں کا تختہ، وہ زمین جہاں پھول اگے یا اگائے گئے ہوں۔ پھولوں کا باغ۔ علاوہ ازیں ایک قسم کا جالی دار کپڑا جس پر مختلف اقسام کے پھول بنے ہوتے ہیں، اسے بھی مجازاً گلشن کہا جاتا ہے۔

گلشن بعض مرکبات میں بھی مستعمل ہے۔ جیسے:

گلشنِ ہستی، گلشن طراز، گلشنِ شداد، گلشن نواز، گلشنِ آفاق، گلشنِ ایجاد، گلشنِ بقاءاور گلشنِ رضواں وغیرہ۔

گل زار اور گل ستان بھی اسی معنٰی میں مستعمل ہیں۔

شمشیر

"شمشیر" لفظ فارسی زبان سے ماخوذ ہے اور اسی زبان سے اردو میں دخیل ہوا۔

اس کا صحیح تلفظ یائے مجہول سے ہے، لیکن اردو میں اس کا تلفظ یائے معروف سے کیا جاتا ہے۔

لفظ شمشیر دراصل مرکب ہے مفرد نہیں، لیکن فارسی اور اردو، دونوں زبانوں میں بطور مفرد ہی مستعمل ہے۔ یہ شم اور شَیر سے ملا کر بنایا گیا ہے۔

شم کا معنٰی "ناخن" ہے۔ اور شیر ایک مشہور و معروف درندہ ہے۔ یوں "شمشیر" کا معنٰی "شیر کا ناخن" ہے۔ تلوار چوں کہ آگے سے ناخن کی طرح ترچھی اور آخر میں نوک دار ہوتی ہے اس لیے اسے شیر کے ناخن کی طرح ہونے کی مناسبت سے شمشَیر یا شمشِیر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

"شم" اور "شیر" قواعد میں، بلحاظِ جنس، مذکر ہیں، لیکن ان کا مرکب لفظ، شمشیر، مؤنث ہے۔

ارکانِ شعر (عروض)

شعر کسی بھی بحر اروو زن میں ہو، پانچ ارکان پر مشتمل ہوتا ہے۔

1 - شعر کے مصرعِ اول کا پہلا رکن صدر کہلاتا ہے۔

2 - شعر کے مصرعِ اول کا آخری رکن عروض کہلاتا ہے۔

3 - شعر کے مصرع ثانی کا پہلا رکن ابتدا کہلاتا ہے۔

4 - شعر کے مصرع ثانی کا آخری رکن ضرب یا عجز کہلاتا ہے۔

5 - شعر کے مصرع اول اور دوم (ثانی) دونوں کے درمیانی ارکان حشو کہلاتے ہیں۔

مثال: مصرع اول

فعولن فعولن فعولن فعولن

صدر حشو حشو عروض

مصرع دوم یا ثانی

فعولن فعولن فعولن فعولن

ابتدا حشو حشو ضرب/عجز

اب ایک شعر

کسی نے نہ پائی محبت کی منزل

قدم لڑکھڑائے ذرا دور چل کے

اس شعر میں

مصرع اول

کسی نے (فعولن): صدر

کی منزل (فعولن): عروض

مصرع دوم

قدم لڑ (فعولن): ابتدا

رچل کے (فعولن): ضرب/عجز

مصرع اول :

نہ پائی محبت (فعولن۔ فعولن) حشو

مصرع دوم :

کھڑائے ذرا دُو (فعولن۔ فعولن) حشو

رات لیلۃالقدر کی، بنی سنوری ہوئی نکلی اور **خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ** کی، بانسری بجاتی ہوئی۔ ساری دنیا میں پھیل گئی۔ موکلان شب قدر نے۔ **مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ**۔ کی سیجیں بچھادیں۔ ملائکانِ ملاءاعلیٰ نے۔ **تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا**۔ کی شہنائیاں شام سے بجانی شروع کی، حوریں **بِاِذْنِ رَبِّهِمْ** کے پروانے، ہاتھوں میں لے کر، فردوس سے چل کھڑی ہوئیں۔ اور **هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ**۔ کی میعادی اجازت نے۔ فرشتگانِ مغرب کو۔ دنیا میں آنے کی رخصت دے دی۔ تارے نکلے۔ اور عروس ماہتاب سے پہلے۔ عروسِ کائنات کی مانگ میں۔ موتی بھر کر غائب ہو گئے۔ چاند نکلا۔ اور اس نے فضائے عالم کو۔ اپنی نورانی ردائے سیمیں سے۔ ڈھک دیا۔ آسمان، کی گھومنے والی قوسیں، آپ اپنے مرکز پر ٹھہر گئیں، بروج نے سیاروں کے پاؤں میں، کیلیں ٹھونک دیں، ہوا جنبش سے، افلاک گردش سے، زمین چکر سے، اور دریا بہنے سے رک گئے، کارخانۂ قدرت، کسی مقدس مہمان کا، خیر مقدم کرنے کے لئے، رات کے بعد اور صبح سے پہلے، بالکل خاموش ہو گیا، انتظام واہتمام کی تکان نے، چاند کی آنکھوں کو جھپکا دیا، نسیم سحری کی آنکھیں، جوشِ خواب سے بند ہونے لگیں، پھولوں میں نکہت، کلیوں میں خوشبو، کونپلوں میں مہک، محو خواب ہو گئی، درختوں، کے مشام، خوشبوئے قدس سے ایسے مہکے، کہ پتا پتا مخمور ہو کر سربسجود ہو گیا۔ ناقوس نے، مندروں میں بتوں کے سامنے، سر جھکانے کے بہانے آنکھ جھپکائی، برہمن سجدے کے حیلے، سر بہ زمین ہو گیا، غرضیکہ

کائنات کا ذرہ ذرہ، اور قطرہ قطرہ ایک منٹ کے لئے، غیر متحرک ہو گیا۔ اس کے بعد وہ لمحہ آ گیا، جس کے لئے یہ سب انتظامات تھے، فرشتوں کے پرے، خوشیوں سے بھرے، آسمانوں سے زمین پر اترنے لگ، اور دنیا کے جمود میں، ایک بیدار انقلاب، پوشیدہ طور پر کام کرتا ہوا، نظر آنے لگا، ملہم غیب نے منادی کی، کہ افضل البشر، خاتم الانبیاء، سرا پردۂ لاہوت سے، عالم ناسوت میں، تشریف لانے والے ہیں۔

رات نے کہا: میں نے شام سے یکساں انتظار کیا ہے، کہ اس گوہرِ رسالت کو، میرے دامن میں ڈال دیا جائے۔

دن نے کہا: میرا رتبہ رات سے بلند ہے، مجھے کیوں محروم رکھا جائے۔

دونوں کی حسرتیں، قابلِ نوازش نظر آئیں، کچھ حصہ دن کا لیا، کچھ رات کا۔ نور کے تڑکے نور علی نور کی، نورانی آوازوں کے ساتھ، دستِ قدرت نے دامنِ کائنات پر، وہ لعل با بہار رکھ دیا، جس کے ایک سرسری جلوے سے، دنیا بھر کے ظلمت کدے، منور اور روشن ہو گئے۔ سرزمین حجاز، جلوۂ حقیقت سے لبریز ہو گئی، دنیا جو سرور و جمود میں تھی اک دم متحرک نظر آنے لگی۔ پھولوں نے پہلو کھول دیئے، کلیوں نے آنکھیں وا کیں، دریا بہنے لگے، ہوائیں چلنے لگیں۔ آتش کدوں کی آگ سرد ہو گئی۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، لات و منات، ہبل و عزا کی توقیر پامال ہونے لگی، قیصر و کسرٰی کے فلک بوس بروج گر کر پاش پاش ہو گئے، درختوں نے سجدۂ شکر سے سر اُٹھایا، رات کچھ روٹھی ہوئی سی، چاند کچھ شرمایا ہوا سا، تارے نادم و محجوب ہو کر رخصت ہوئے اور آفتاب شان و فخر کے ساتھ مسرت و مباہات کے اجالے لئے ہوئے کرنوں کے ہار ہاتھ میں، قندیل نور تھال میں، ہزاروں ناز و ادا کے ساتھ افقِ مشرق سے نمایاں ہوا، حضرت عبداللہ کے گھر میں، آمنہ کی گود میں، عبدالمطلب کے گھرانے میں، ہاشم کے خاندان میں اور مکہ کے ایک مقدس مکان میں خلاصہ کائنات، فخرِ موجودات، محبوبِ خدا، امام الانبیاء، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، حضرت محمد مصطفٰی ﷺ تشریف فرمائے بصد عز و جلال ہوئے۔ سبحان اللہ۔ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کتنی مقدس تھی جس نے ایسی سعادت پائی اور پیر کا روز کتنا مبارک تھا جس میں حضور ﷺ نے نزولِ اجلال فرمایا:

فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ

جب کبھی خون کے رشتے دل دکھائیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کو یاد کر لینا جن کے بھائیوں نے انھیں کنویں میں پھینک دیا تھا۔

جب کبھی لگے کہ تمھارے والدین تمھارا ساتھ نہیں دے رہے تو ایک بار حضرت ابراہیمؑ کو ضرور یاد کر لینا جن کہ بابا نے انکا ساتھ نہیں دیا بلکہ انکو آگ میں پھنکوانے والوں کا ساتھ دیا۔

جب کبھی لگے کہ تمہارا جسم بیماری کی وجہ سے درد میں مبتلا ہے تو ہائے کرنے پہلے صرف ایک بار حضرت ایوبؑ کو یاد کرنا جو تم سے زیادہ بیمار تھے۔

جب کبھی کسی مصیبت یا پریشانی میں مبتلا ہو تو شکوہ کرنے سے پہلے حضرت یونسؑ کو ضرور یاد کرنا جو مچھلی کے پیٹ میں رہے اور وہ پریشانی تمہاری پریشانیوں سے زیادہ بڑی تھی۔

اگر کبھی جھوٹا الزام لگ جائے یا بہتان لگ جائے ناں ! تو ایک بار اماں عائشہؓ کو ضرور یاد کرنا۔

اگر کبھی لگے کہ اکیلے رہ گئے ہو تو ایک بار اپنے بابا آدمؑ کو یاد کرنا جن کو اللہ نے اکیلا پیدا کیا تھا اور پھر انکو ساتھی عطا کیا۔ تو تم ناامید نہ ہونا تمہارا بھی کوئی ساتھی ضرور بنے گا۔

اگر کبھی اللہ کے کسی حکم کی سمجھ نہ آ رہی ہو تو اس وقت نوحؑ کو یاد کرنا جنہوں نے بغیر کوئی سوال کیے کشتی بنائی تھی پر اللہ کے حکم کو مانا تھا تو تم بھی ماننا۔

اور اگر کبھی تمھارے اپنے ہی رشتے دار اور دوست تمہارا تمسخر اڑائیں تو نبیوں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد کر لینا۔۔۔

آج مسلمان دنیا میں مار اس وجہ سے کھا رہا ہے کہ دین کی محنت نہ ہونے کی وجہ سے ہم مسلمانوں کے عزت، ذلت، کامیابی، ناکامی کے معیار بدل گئے۔

جن چیزوں میں کامیابی تھی ان کو ناکامی سمجھ لیا اور جن چیزوں میں ناکامی ان کو کامیابی سمجھ لیا۔۔۔

ہمارے رہنما ہمارے رہبر حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں جن کی زندگی میں ہی کامیابی ہے۔۔۔

لیکن دین کی محنت نہ ہونے کی وجہ سے ہم ذہنی غلام بن گئے۔۔۔

کافر آدھے سر کے بال کٹاتے ہیں تو ہم بھی شروع ہو گئے وہ پینٹ پھاڑ کے پہنتے ہیں تو ہم بھی شروع ہو گئے۔۔۔

اس غلامی کی زندگی سے نکلنے کا ایک ہی حل ہے دین کی محنت جو سارے انبیاء علیہم السلام نے کی۔۔۔

تمام نبیوں کو اللہ نے آزمائش میں ڈالا کہ ہم ان کی زندگیوں سے صبر واستقامت، ہمت و تقوٰی اور ڈٹے رہنے کا سبق حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ گمان سے بڑھ کر دیتے ہیں

صاحبزادہ حافظ محمد قاسم اسامہ

ایک شخص کی عادت تھی کہ وہ اذان سے کافی پہلے مسجد میں آجاتا اور وضو کر کے قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دیتا۔

اس طرح جماعت ہونے سے پہلے اسے تلاوت کیلئے کافی وقت مل جاتا۔ آج بھی کچھ اسی طرح ہوا تھا وہ مسجد میں بیٹھا تلاوت کر رہا تھا کہ ایک چھوٹا بچہ مسجد میں داخل ہوا اور ہاتھ منہ دھو کر مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ اس نے مسکرا کر بچے کی طرف دیکھا تو بچے نے بھی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

وہ سر جھکا کر پھر تلاوت میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد تلاوت کے دوران اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ چھوٹا بچہ اپنے ننھے ہاتھ اٹھا کر آنکھیں بند کر کے دعا مانگ رہا تھا۔

اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بچے کا دعا مانگنے کا انداز اتنا پیارا تھا کہ وہ بے ساختہ قرآن مجید بند کر کے اسے دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس بچے نے دعا مکمل کی اور باہر جانے لگا تو اس کا دل چاہا کہ وہ اس بچے کی حوصلہ افزائی کے لئے اسے کچھ دے۔ اس نے بچے کو پاس بلایا اور سر پر ہاتھ پھیر کر اس کو سو کا نوٹ دیا۔ بچے نے تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد وہ نوٹ قبول کر لیا۔

اس نے بچے سے پوچھا کہ بتاؤ تم اللہ پاک سے کیا دعا مانگ رہے تھے؟ بچے نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔ میرا چاکلیٹ کھانے کا دل کر رہا تھا تو میں نے اللہ جی سے سو روپے مانگے تھے۔۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ بچے کے جانے کے بعد بھی وہ اسی سمت دیکھتا رہا جس طرف وہ بچہ گیا تھا جو اسے یقین اور اخلاص سے دعا مانگنے کا ایک طریقہ سکھا گیا تھا۔

واہ میرے مولا تو گمان سے بڑھ کے دیتا ہے۔

باہر کا ماحول

محمد عبداللہ

والدین کی ایک بڑی تعداد ہے جو یہ کہتے ہیں ہمارا بچہ دوستوں میں رہ کر بگڑ گیا ہے، باہر کے ماحول نے اسے بگاڑ دیا ہے، بچہ جھوٹ بولے تو دوستوں نے سکھایا، بچہ بدتمیزی کرے تو دوستوں نے سکھایا، بچہ گالی دے تو دوستوں نے سکھایا ہے، یقین جانیں یہ سوچ ہی غلط ہے۔

درحقیقت بچے کے بگڑنے کی وجہ والدین کے اپنے فرائض کی عدم ادائیگی ہے، شروع سے ہی بچے کی تربیت کو اہم فریضہ سمجھا جاتا، بچے کی پرورش کو اولین ترجیح دی جاتی تو یہ بچہ دوستوں میں جا کر کبھی خراب نہیں ہوتا بلکہ دوستوں کی اصلاح کا سبب بنتا۔

بچہ پیدا ہوتے ہی دوستوں میں نہیں جا بیٹھتا، پیدا ہوتے ہی اسکے دوست اسے لینے نہیں آجاتے، پیدا ہوتے ہی آوارہ گردی شروع نہیں کرتا، پیدا ہوتے ہی سگریٹ نہیں پکڑتا، کم و بیش شروع کے دس سال تک بچہ مکمل والدین کے ساتھ اٹیچ ہوتا ہے اور یہی وہ دورانیہ ہے جہاں اکثر و بیشتر والدین عدم توجہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

بچہ جب پیدا ہوتا ہے اسکا دل و دماغ بلکل خالی کاغذ کی طرح ہوتا ہے جس پر کچھ لکھا نہیں ہوتا۔ بچہ جو بھی دیکھے گا، جو بھی سنے گا وہ اس پر چھپتا چلا جائے گا، اب ہم نے اس کاغذ پر کچھ نہیں لکھا زمانہ لکھتا چلا گیا، اگر ہم بچپن میں ہی اپنی تربیت اس کاغذ پر اتار دیتے تو زمانے کو برائیاں اتارنے کے لیے جگہ ہی نا ملتی۔

جب ماں اور باپ نے اپنی تربیت شروع میں ہی بچے کے اندر اتار دی تو یہ بچہ خراب لوگوں سے مل کر خود کبھی خراب نہیں ہوگا بلکہ خراب لوگوں کے لیئے اصلاح کا سبب بنے گا۔

ہمارے معاشرے میں تربیت کے نام پر رسمی جملے دہرائے جاتے ہیں، بیٹا جھوٹ بولنا بری عادت ہے، بدتمیزی کرنا بری عادت ہے اور یہ رسمی جملے کبھی بچے کے اندر نہیں اترتے بلکہ نہایت ذمہ داری کے ساتھ، غور و فکر کے ساتھ اور دلچسپی سے کی جانے والی تربیت کو بچہ اپنے اندر اتارتا ہے، ہم معاشرہ دیکھ لیں ہر والدین بچے کو رٹے رٹائے جملے سکھاتے ہیں لیکن فائدہ کوئی نہیں اور اسکی وجہ یہی کہ تربیت واسطے فکر مند نہیں، دلچسپی نہیں، ہاں سیکھ جائے گا، سمجھ جائے گا، ابھی چھوٹا ہے اور اسی سوچ نے معاملات کو بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔

ڈرامے اور فلمیں دیکھتے ہوئے مائیں بچوں کو دودھ پلا رہی ہیں، ایک ہاتھ میں بچے کا فیڈر ہے تو دوسرے ہاتھ میں موبائل ہے، ذرا سا بچہ رونے لگ جائے تو ٹی وی کھول کر دے دیں گے، موبائل ہاتھ میں دے دیں گے، اسے کارٹون لگا دیں گے، کوئی موسیقی سن کر بچہ ہاتھ پیر ہلانے لگ جائے تو سارے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے، اب وہ ماں اپنے بچے کی اعلی پرورش کیسے کر سکتی ہے اسکی خود کی زندگی ڈرامے، فلمیں، موسیقی، شاپنگ، گھومنا گھمانا، موبائل فیس بک تک محدود ہو۔

ایک نظر باپ کی ذمہ داریوں پر ڈالیں تو بس وہی رسمی معاملات کہ بچے کے خرچے پورے ہو رہے ہیں، ضروریات و خواہشات پوری ہو رہی ہیں پورا دن کام میں مصروف گھر آئے کھانا کھایا، بچے کو ایک راؤنڈ لگوا کر پھر دوستوں میں مصروف، اور پھر گھر آ کر موبائل میں مصروف، اسی طرح دن پھر ہفتے اور پھر سال گذر جاتے ہیں لہذا اس بچے کی تربیت کا جو سب سے اہم دورانیہ تھا وہ والدین نے اپنی ہی مصروفیات، اپنی ہی مستیوں میں ضائع کر دیا بعد میں سر پکڑ بیٹھ گئے کہ اولاد نافرمان ہے، اولاد بدتمیز ہے، دوستوں نے بگاڑ دیا، ماحول نے خراب کر دیا، ارے بھئی ماحول کے ساتھ تو وہ بعد میں جڑا ہے، دوست تو اسکے بعد میں بنے ہیں، اتنے سالوں سے تو وہ آپ ہی کے پاس تھا۔

ماں اور باپ دونوں کو مل کر ذمہ داری کے ساتھ بچے کی تربیت کرنی ہوگی، اپنے آپ کو لگانا ہے، اپنے آپ کو کھپانا ہے، اولاد کی تربیت کے لیے ماں کی گود سب سے پہلی اور اہم درسگاہ ہے ماں اسے سینے سے لگائے اپنی تربیت بچے میں منتقل کرے،

اسے اللہ کی پہچان کروائے، اسے رسول اللہ ﷺ کی پہچان کروائے، اسے دنیا میں آنے کا مقصد سمجھائے، اسے روزمرہ معاملات کی دعائیں سکھائے، سچ سے محبت سچ میں عزت سچ پر فضیلت اسکے دل میں اتارے جھوٹ سے نفرت، جھوٹ میں شرمندگی، جھوٹ پر گناہ کا یقین اسکے دل میں اتارے، گالی، غیبت، چغلی اور بری باتوں سے نفرت اسکے دل میں اتارے، رشتہ داروں سے محبت اور حسن سلوک اسکے دل میں اتارے، جب ماں کے اندر دین ہوگا، ماں کے اخلاق اچھے ہونگے تو یہاں نسلوں کی نسلیں پروان چڑھیں گی۔

اسی طرح باپ ہے روزانہ بچے کے ساتھ بیٹھ کر کچھ وقت گزارے، روزمرہ کے معاملات کا پوچھے، صحیح غلط کی پہچان کروائے، بڑوں کا ادب، بڑوں کی عزت سمجھائے، غریبوں سے محبت ضرورت مند کی مدد کا جذبہ اور شوق اسکے اندر پیدا کریں، اسکے سامنے یہ ٹیلی ویژن موبائل ڈرامے فلمیں وغیرہ کا استعمال بلکل نہ ہو، اسکے سامنے لڑائی جھگڑے گالم گلوچ شور شرابہ بلکل نہ ہو، بچے کے سامنے سب سے آپ جناب سے بات کریں، بچہ ذرا بڑا ہو جائے تو اسے نماز پر اپنے ساتھ لیکر جائیں، اسے لوگوں سے ملنا جلنا سکھائیں، اچھے کام پر اسکی حوصلہ افزائی ہو، فارغ وقت میں پاس بٹھا کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے واقعات سنائیں۔

ایسے ماحول سے نکل کر آپ کا شہزادہ جب باہر کی دنیا میں آتا ہے تو کبھی باہر کے لوگوں سے خراب ہو کر نہیں آئے گا بلکہ انکے لیے اصلاح کا سبب بنے گا، انکے لیے خیر کا سبب بنے گا، جہاں جائے گا اپنی اچھائی چھوڑ آئے گا، جہاں جائے گا والدین کا نام چھوڑ کر آئے گا۔

اور یہ شہزادہ دنیا میں تو والدین کی سربلندی کا باعث بنتا ہی ہے لیکن اپنے اچھے اعمال و کردار کی بدولت والدین کے انتقال کے بعد قبر میں بھی انکے لیے راحت و سکون کا ذریعہ بنے گا۔ ان شاءاللہ

آئندہ کھچڑی میں نمک صحیح انداز سے ڈالا کرنا

محمد الرحمن معاویہ

کہتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ تخت شاہی پر بیٹھنے کے بعد بھی نہایت سادہ اور محتاط زندگی بسر کی۔

بادشاہ کے ذاتی باورچی کی بابت ظاہر ہے کہ بہت عزت و شہرت کی چیز سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے بڑے بڑے ہنر مند باورچی بیحد شوق اور آرزو سے یہ خدمتِ خاص حاصل کرتے، مگر بعد میں حقیقت کھل جاتی کہ نپی تلی کھچڑی یا معمولی روٹی دونوں وقت پکتی اور تمام کی تمام بادشاہ سلامت کے سامنے دستر خوان پر چلی جاتی ہے، اور دستر خوان سے صاف برتن واپس آتے۔ یعنی باورچی کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے بھی کچھ نہیں ملتا۔ خشک تنخواہ پر گزارہ کرنا پڑتا۔ اس لئے چند ہی روز میں وہ ملازمت ترک کر کے چلے جاتے یا شاہی مطبخ عام میں تبدیلی کرا لیتے۔

بار بار کے استعفوں سے تنگ بادشاہ نے نئے باورچی سے معاہدہ کیا کہ کم از کم ایک برس تک ملازمت میں رہنا پڑے گا، اور اس عرصہ میں استعفیٰ قبول نہ ہوگا۔ ناواقف باورچی نے خوشی سے معاہدہ کر لیا۔ مگر جلد ہی اس پر بھی حقیقت کھل گئی۔ اب باورچی مصیبت میں پڑ گیا، نہ گزر ہوتی نہ استعفیٰ دے سکتا۔ تنگ آ کر اس نے سوچا کہ بادشاہ کو اس قدر ناراض کر و کہ وہ خود ہی نکال دے۔ لہٰذا اس نے کھچڑی میں زیادہ نمک ڈال دیا۔ بادشاہ نے کھچڑی کھالی۔ باورچی کی طرف صرف نظر اٹھا کر دیکھا، مگر

کہا کچھ نہیں۔ باورچی نے مایوس ہو کر اگلے دن بالکل نمک نہ ڈالا اور پھیکی کھچڑی پکائی۔ بادشاہ نے اس دن بھی کچھ نہ کہا۔ تیسرے دن باورچی نے صحیح مقدار نمک کی ڈالی۔ بادشاہ نے اس باورچی کو نظر اٹھا کر دیکھا اور نہایت تحمل سے فرمایا، میاں! ایک ڈھنگ اختیار کر لو، یا تو برابر کا نمک ہمیشہ یا بالکل پھیکی پکایا کرو، معتدل ذائقہ ہو، بار بار نمک کی مقدار بدلنے کی تکلیف مت اٹھاو۔ باورچی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا، جہاں پناہ! میں سات لڑکیوں کا باپ ہوں شاہی باورچی کہلاتا ہوں لوگوں کو مجھ سے بڑی توقعات ہیں۔اور میری حالت یہ ہے کہ فاقوں مرتا ہوں۔ میں نے یہ سمجھ کر ملازمت کی تھی کہ جہاں پناہ کی ذاتی خدمت بجالا کر کچھ عرصہ میں متمول ہوں گا، مگر اب سال بھر تک فاقہ ہی نظر آتا ہے۔ یہ تصدیق فرما کر خادم کو آزاد فرمایا جائے۔

بادشاہ نے پوچھا؛ آزادی کی خواہش ہے یا روپے کی ضرورت؟

عرض کیا روپے کی زیادہ ضرورت ہے۔

کہا کہ اچھا آج آدھ پاؤ کھچڑی زیادہ پکا لینا۔

باورچی کچھ نہ سمجھا اور آدھ پاؤ کھچڑی زیادہ پکالی۔

بادشاہ نے اپنا حصہ کھانے کے بعد باقی ماندہ کھچڑی کے سات حصے کئے ایک ایک طشتری میں ایک ایک حصہ ڈال کر خوان میں لگا کر کہا کہ ہمارے سات وزیروں کو ہمارا یہ تحفہ پہنچا دو۔ چونکہ آج تک وزیروں کو ایسا تحفہ نہیں ملا تھا، وزیروں کو اس غیر معمولی شاہی التفات کی خبر لگی، تو ان کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ شاہی باورچی کا اپنے دروازوں پر بڑا استقبال ہوا اور شاہی تحفہ لانے کے صلہ میں ہر وزیر نے باورچی کو ایک ایک لاکھ روپے نقد رقم ادا کی۔

باورچی یہ سات لاکھ کی رقم اور کافی ساز و سامان کمانے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوا۔

بادشاہ نے پوچھا؛ کہو گزارے کی کوئی صورت نکل آئی؟

باورچی نے دست بستہ عرض کی کہ حضور کی توجہ کی بدولت اب عمر بھر کے لئے بے فکری ہو گئی۔اب کوئی حاجت باقی نہ رہی۔

بادشاہ نے کہا؛ آئندہ کھچڑی میں نمک صحیح انداز سے ڈالا کرنا۔"(مساوات اسلام سے ایک اقتباس)

السلام السلام السلام السلام

شاہِ ذیشان کو، شان قرآن کو
روحِ ایمان کو، رب کے مہمان کو
السلام السلام السلام السلام

ان کے اطوار کو، اعلیٰ کردار کو
نرم گفتار کو، تیز رفتار کو
السلام السلام السلام السلام

سبز دستار کو، ان کے رخسار کو
حسن کے معیار کو، زلف خم دار کو
السلام السلام السلام السلام

آمنہ مائی کو، آپ کی دائی کو
بوڑھی ہمسائی کو، ہر شناسائی کو
السلام السلام السلام السلام

ماں کی ممتاؤں کو، جنتی پاؤں کو
پیار کی چھاؤں کو، امتی ماؤں کو
السلام السلام السلام السلام

عشق کے فخر کو، علم کے قصر کو
پیکر صبر کو، بنت بو بکرؓ کو
السلام السلام السلام السلام

ناز بردار کو، ان کے غم خوار کو
چار کے چار کو، یعنی ہر یار کو
السلام السلام السلام السلام

ان کے دلدار کو، عاشق زار کو
زانوئے یار کو، یار کو غار کو
السلام السلام السلام السلام

ہوش کی آب کو، جوش کی تاب کو
عدل کے باب کو، ابن خطابؓ کو
السلام السلام السلام السلام

مال کو جان کو، دست فیضان کو
ابن عفان کو، ان کے عثمانؓ کو
السلام السلام السلام السلام

تیر تلوار کو، فتح بردار کو
عزم کرارؓ کو، ان کے گھربار کو
السلام السلام السلام السلام

ایک جاں باز کو، ان کے دم ساز کو
حبشیؓ انداز کو، اُجلی آواز کو
السلام السلام السلام السلام

ایک سخن دان کو، ایک ثناء خوان کو
نعت کی شان کو، یعنی حسانؓ کو
السلام السلام السلام السلام

حضرت شفیق بلخی اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہما اللہ کے درمیان سچی دوستی تھی، ایک مرتبہ شفیق بلخیؒ اپنے دوست ابراہیم بن ادہمؒ کے پاس آئے اور کہا کہ میں ایک تجارتی سفر پر جارہا ہوں، سوچا کہ جانے سے پہلے آپ سے ملاقات کرلوں، کیوں کہ اندازہ ہے کہ سفر میں کئی مہینے لگ جائیں گے۔

لیکن توقع کے خلاف چند ہی دنوں میں واپس لوٹ آئے اور جب حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے انھیں مسجد میں دیکھا، تو حیرت سے پوچھ بیٹھے: کیوں شفیق! اتنے جلدی لوٹ آئے؟

حضرت شفیق بلخیؒ نے جواب دیا: حضرت! میں کیا عرض کروں، راستے میں ایک حیرت انگیز منظر دیکھا اور الٹے پاؤں ہی گھر لوٹ آیا۔

ہوا یوں کہ ایک غیر آباد جگہ پہنچا، وہیں میں نے آرام کے لیے پڑاؤ ڈالا، اچانک میری نظر ایک پرندے پر پڑی، جو نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ اڑ سکتا ہے، مجھے اس کو دیکھ کر ترس آیا، میں نے سوچا کہ اس ویران جگہ پر یہ پرندہ اپنی خوراک کیسے پاتا ہوگا؟

میں اسی سوچ میں تھا کہ اتنے میں ایک دوسرا پرندہ آیا، اس نے اپنی چونچ میں کوئی چیز دبا رکھی تھی، اس نے آتے ہی وہ چیز معذور پرندے کے آگے ڈال دی اور معذور پرندے نے وہ چیز اٹھا کر کھالی، اس دوسرے پرندے نے اس طرح کئی چکر لگائے، بالآخر اس معذور پرندے کا پیٹ بھر گیا۔

یہ منظر دیکھ کر میں نے کہا: سبحان اللہ! جب اللہ تعالی اس ویران وسنسان جگہ پر ایک پرندے کا رزق اس کے پاس پہنچا سکتا ہے، تو مجھ کو رزق کے لیے شہر در شہر پھرنے کی کیا ضرورت ہے، چناں چہ میں نے آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں سے واپس چلا آیا۔

یہ سن کر حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے کہا: شفیق! تمھارے اس طرح سوچنے سے مجھے سخت مایوسی ہوئی، تم نے آخر اس معذور پرندے کی طرح بننا کیوں پسند کیا جس کی زندگی دوسروں کے سہارے چل رہی ہو؟

تم نے یہ کیوں نہیں چاہا کہ تمھاری مثال اس پرندے جیسی ہو، جو اپنا پیٹ بھی پالتا ہے اور دوسروں کا بھی پیٹ پالنے کے لیے کوشش کرتا ہے؟

حضرت شفیق بلخیؒ نے یہ سنا تو بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھے اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے ہاتھ کو چوم لیا اور کہا: ابو اسحاق! (یہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی کنیت ہے) تم نے میری آنکھیں کھول دیں، وہی بات صحیح ہے جو تم نے کہی ہے۔

اس واقعے سے ہمیں دو نصیحتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ زندگی میں ہم دوسروں کے لیے کبھی بوجھ نہ بنیں۔

اور دوسری یہ کہ ہم ہمیشہ دوسروں کے کام آئیں، پاکیزہ اور حلال روزی کما کر دوسروں کے لیے سہارا بنیں۔ (منقول)

کہتے ہیں کہ علامہ اقبال رحمہ اللہ کے پاس ایک دہریہ آیا اور خدا کی ذات کے انکار پر تین دن تک بحث کرتا رہا۔

علامہ اقبالؒ وجود باری تعالیٰ پر دلائل دیتے اور اسے قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش فرماتے رہے، مگر جب اس دہریہ نے مان کر ہی نہیں دیا تو آخر کار علامہؒ نے فرمایا: چلو آج میں تمہیں کسی مردِ قلندر کے پاس لے جاتا ہوں، شاید وہ تمہاری تقدیر بدل دے

چنانچہ علامہ اقبالؒ اس دہریے کو سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ: حضرت میاں شیر محمد شرق پوری رحمہ اللہ کی بارگاہ میں لے گئے۔

جونہی وہ دہریہ حضرت میاں صاحبؒ کے دربار میں پہنچا تو میاں صاحبؒ نے اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور کہا: کیوں بھئی! ربّ ہے کہ نہیں؟

یہ سنتے ہی اس دہریے نے بغیر کسی کلام و دلیل کے تسلیم کر لیا کہ واقعی ایک خدا موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ شعر علامہ اقبالؒ نے اسی موقع کی مناسبت سے لکھا تھا:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

بیعت کی تشکیل اور تربیت صفحہ 231

راستی

سچائی پر قائم رہو؟ سچائی میں نجات ہے۔

امانت داری

جس شخص میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں۔

پرہیزگاری

خدا کے نزدیک باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

سادگی

عیش پسندی سے بچو اللہ کے بندے عیش پسند نہیں ہوتے۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انسان کے لئے پسندیدہ ہے کہ اپنی دعا میں یہ کہے:

اللهُمَّ اسْتُرْنا بِسِتْرِكَ الجَمِيلِ

''اے اللہ! ہمیں اپنے خوبصورت پردے سے ڈھانپ لے۔''

اور سترِ جمیل (خوبصورت طریقے سے ڈھانپنے) سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں بھی پردہ رکھے اور آخرت میں بھی بغیر سرزنش کیے پردہ ڈال دے۔ (المجالسۃ وجواھر العلم للدینوري: ٢)

ایک بزرگ ایک بستی سے دوسری بستی کو جارہے تھے۔

جب دوسرے شہر کے قریب ہوئے تو دیکھا کہ شہرپناہ کے دروازے بند ہیں اور دن کا وقت ہے۔

ان کو بڑا تعجب ہوا کہ دن میں شہر کا دروازہ کیوں بند ہے؟

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس شہر کے بادشاہ کا ایک پالتو پرندہ باز اُڑ گیا ہے، جس کی تلاش جاری ہے اور دروازے بند اس لئے ہیں، تاکہ باز شہر کے اندر ہی رہے اور دروازہ سے کہیں باہر نہ چلا جائے۔

اس بزرگ نے سوچا کہ کتنا بڑا بے وقوف بادشاہ ہے کہ باز تو اوپر جو کھلی فضا ہے، وہاں سے بھی جا سکتا ہے، اسے اتنی بھی عقل نہیں اور اس نے شہرپناہ کا دروازہ بند کروا دیا ہے۔

پھر وہ بزرگ اللہ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اے اللہ! تو نے حکومت و سلطنت اور مال و دولت اس بے وقوف بادشاہ کو دے دی ہے، جو عقل سے بالکل عاری ہے اور مجھ جیسے عاقل کو کچھ نہیں دیا، تو اللہ کی طرف سے الہام ہوا کہ کیا آپ اس

پر راضی ہیں کہ اس کی بے وقوفی وحماقت کے ساتھ آپ کو یہ دولت و حشمت اور حکومت وسلطنت اور جاہ وجلال سب کچھ اس بادشاہ سے چھین کر آپ کو دے دی جائے اور آپ کی عقل مندی اور تقویٰ شعاری، نیکیاں اور اطاعتیں سب اُس کو دے دی جائیں؟

ان بزرگ کو فوراً احساس ہوا اور اللہ سے معافی مانگی اور کہنے لگے کہ:

یااللہ! مجھے تقویٰ والی دولت زیادہ پسند ہے، اگرچہ غریبی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو اور یہ حکومت وسلطنت اسکی بے قوفی وبے ایمانی سمیت لینے سے تو ایمان و عمل کے ساتھ فقر وفاقہ ہی بہتر ہے۔

لوگ عموماً نعمت، صرف مال ودولت کو سمجھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالی کی طرف سے کسی کو اطاعت وعبادت کی توفیق مل جائے، تو یہ بہت بڑی دولت ہے، اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے؟(واقعات پڑھئے اور عبرت لیجئے، ص:176)

یا خدا ایسا ملے موقع میں حج کو جا سکوں
رحمتوں اور برکتوں کا فیض مولا پا سکوں

باندھ کر احرام مولا دیدِ کعبہ میں کروں
سر ندامت سے ہو خم فوراً سے پہلے روپڑوں

یوں مقامِ ابراہیمی پر نماز اپنی پڑھوں
سامنے ہوگا حطیم اپنے میں زم زم بھی پیوں

بابِ کعبہ سے لپٹ کر میں دعائیں مانگ لوں
ملتزم بھی ہو نظر میں حجرِ اسود چوم لوں

میں صفا مروہ پہ دوڑوں یا الٰہی کر قبول
پھر منیٰ مزدلفہ اور عرفات میرا ہو حصول

پھر طوافِ الوداع تیرے کرم سے ہو خدا
وادیِ سرکار پہ حاضر ہو ان کا اک گدا

نم ہوں آنکھیں اور لرزتا جانبِ آقا چلوں
باادب ہو کر نبی کو میں سلام اپنا کہوں

حالِ دل سرکار کو رو کر سناؤں بار بار
رحمتِ سرکار سے ہوجائے دل بھی خوشگوار

حضرتِ صدیق اکبر اور عمر کو بھی سلام
در پہ حاضر ہے کھڑا سرکار کا ادنیٰ غلام

یہ حسیں ہے کاوش داؤد کی
کر معاف اللہ لغزش داؤد کی

ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایمان جیسی قیمتی دولت بخشی یہ ہمارے لیے رب کریم کی محبت ہے نماز کی پابندی کی توفیق عطا فرمائی یہ اللہ رب کریم کا احسانِ عظیم ہے دین کے نام پر جان، مال اور وقت لگانے کی سعادت بخشی یہ رب کریم نعمت ہے ان سارے انعامات الٰہی پر اللہ رب کریم کا شکر ادا کرنا چاہیے اور دین کو پختگی کے ساتھ سمجھنے اور مضبوطی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ رب کریم نے تمام چیزیں مقدر کردی ہیں ان کے اسباب بھی مقدر کر دیئے ہیں لیکن جس حد تک اسباب انسان کے اختیار میں رکھے ہیں ان اسباب کا اختیار کرنا انسان پر واجب ہے، اسباب تلاش کرنا اور انھیں اختیار کرنا انسان کے اختیار کی چیز ہے، لہٰذا انھیں اپنانا اُن کے لیے کوشش کرنا بھی لازمی ہے۔ اسباب اختیار کرنے کے بعد نتیجہ ظاہر ہونے کی امید اور یقین اللہ تعالیٰ کی ذات سے رکھنا چاہیے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ''میں نے قرآنِ مجید میں نوے جگہوں پر پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کی تقدیر میں رزق لکھ دیا ہے اور اُسے اِس بات کی ضمانت دیدی ہے۔ اور میں نے قرآن شریف میں صرف ایک مقام پر پڑھا کہ شیطان تمہیں

مفلسی سے ڈراتا ہے۔ ہم نے سچے رب کا نوے مقامات پر کیئیے ہوئے وعدے پر تو شک کیا مگر جھوٹے شیطان کی صرف ایک مقام پر کہی ہوئی بات کو سچ جانا۔

ابنِ قیم رحمۃاللہ علیہ کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ پردے ہٹا کر بندے کو دِکھادے کہ وہ اپنے بندے کے معاملات سھارنے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں کرتا ہے۔اور وہ اپنے بندے کی مصلحتوں کی کیسی کیسی حفاظتیں کرتا ہے۔اور وہ کس طرح اپنے بندے کے لئے اُس کی ماں سے سے بھی زیادہ شفیق ہے۔تب کہیں جا کر بندے کا دل اللہ کی محبت سے سرشار ہو گا۔اور تب کہیں جا کر بندہ اپنادل اللہ کے لئے قربان کرنے پر کمربستہ ہو گا۔

اگر آپ دنیا کے غم وپریشانیوں سے تھک چکے ہیں تو فکر نہ کریں اللہ رب کریم آپ کی دعائیں سنتا ہے اور سننا چاہتا ہے بس آپ مانگنے والے بنیں۔ایک بار اپنا سر سجدے میں رکھ کر جو کچھ آپ کے دل ودماغ میں ہے کہہ دیجیے پھر دیکھیں اللہ کی محبت آپ کے لیے کیا ہے۔اللہ کے سامنے گڑ گڑا کر ایک بار اپنے غموں اور مصیبتوں کو کہہ دیجیے اللہ سننے والا اور عطا کرنے والا ہے۔اپنی تقدیر کا رونا مت روئیں بلکہ اللہ کے احکامات کو مشعل راہ بنائیں پھر دیکھیں کہ آپ کو کیا حاصل ہوتا ہے۔اللہ رب کریم کی نعمتیں آپ کی جھولی میں ہو نگی۔

بقول علامہ اقبال رحمہ اللہ۔

تقدیر کے پابند ہیں جمادات ونباتات

مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

مولانا محمد حسین شیخوپوری رحمہ اللہ کی حاضر جوابی اور سمجھانے کا انداز بہت منفرد تھا۔سادہ اور پر اثر انداز تھا۔

آپ رحمہ اللہ کے پاس قریبی علاقے سے ایک وفد آیا۔انہیں اپنی مسجد کے لئے ایک بہترین عالم دین چاہیے تھا۔کہنے لگے:

"انتہائی نیک ہو، کردار کا بہت اچھا ہو، قرات اچھی آواز میں کرتا ہو، استاد بھی بہترین ہو، قرآن پاک پوری طرح یاد ہو، درس قرآن بھی دے سکتا ہوں، جمعۃالمبارک کا خطبہ متاثر کن ہو، چھٹیاں نہ کرنے والہ ہوں، آذان و نماز کا بر وقت انتظام کرے، مسجد کی صفائی ستھرائی کا نظام احسن طریقے سے چلائے۔وغیرہ وغیرہ"

مولانا محمد حسین شیخوپوریؒ نے کہا کہ یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن جناب عالی! آپ لوگ کیا کریں گے۔

ایسے عالم دین متقی شخص کا خیال کیسے رکھیں گے ؟۔معاوضہ وغیرہ کتنا دیں گے ؟۔اور کس طرح خیال اور اکرام کریں گے۔

اب اس کی بار انداز مختلف تھا۔ کہنے لگے کہ معاوضہ کچھ زیادہ تو نہیں دے سکتے کیونکہ چندہ وغیرہ کم اکٹھا ہوتا ہے۔ جماعت ابھی کمزور ہے۔کچھ زیادہ جمع نہیں ھو سکتا

البتہ امام صاحب کا گزارہ چلے گا کھانے پینے کا ابھی سے کچھ خاطر خواہ انتظام نہیں۔ مگر بندوبست ہو جائے گا۔ان شاءاللہ

مولانا محمد حسین شیخوپوریؒ فرمانے لگے۔

جی ہاں! اگر ایسا ہے تو میری نظر میں ایک شخصیت ضرور ایسی آئی ہے کہ اسے قرآن مجید پورا یاد ہے، عالم بھی پورا ہی ہے، سیکھانا بھی جانتا ہے، یعنی استاد بھی کامل ہے، سلیقہ مند اور بہترین حکمت عملی والہ بھی ہے۔ چھٹیاں تو بلکل نہیں کرے گا۔ ہر وقت ڈیوٹی پر حاضری دے گا۔ غمی اور خوشی کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔اور سب سے بڑھ کر اس کے کھانے پینے کی بھی فکر نہیں کرنی پڑے گی۔

وفد کے افراد نے فوری پوچھا کہ جی بہتر، آپ جلدی بتائیں، ایسے ہی شخص کی فوری ضرورت ہے ہمیں۔

مولانا محمد حسین شیخوپوریؒ فرمانے لگے۔جی سنئیے اسکا نام ہے۔"حضرت جبرائیل علیہ السلام "آپ کی شرائط پر صرف وہ ہی پورا اتر سکتے ہیں جو ہر لحاظ سے۔ بہترین ہیں کردار، نیکی، پرہیز گاری، معلمی، خطابت، قرات، حفظ، درس وتدریس، امانت داری، پابندی وغیرہ جتنی خوبیاں آپ کو درکار ہیں وہ ان میں اچھی طرح موجود ہے۔

جی ہاں!

جبکہ آپ لوگ ایک عالم کی نیادی ضروریات تک کا خیال نہیں رکھ سکتے تو اس معیار پر تو صرف کوئی فرشتہ ہی پورا اتر سکتا ہے جو نہ کھاتا پیتا ہو۔ نہ اس کا خاندان ہو، نہ بچوں کے کھانے ولباس کی فکر ہو، نہ اس کے والدین بہن بھائی ہوں، نہ بیمار ہوتا ہوں، نہ چھٹی کریں۔بس کام اور خدمت کے لیے ہر وقت تیار ہی رہتا ہوں

مولانا محمد حسین شیخوپوریؒ کی اس بات میں نصیحت بھی ہے اور ایک چھپا درد بھی ہے اگر کوئی محسوس کرے تو۔

آج کل افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ:

پورے پاکستان ہندوستان وغیرہ میں علماء اور امام صاحبان کا خاطر خواہ خیال نہیں رکھا جاتا۔ الا ماشاءاللہ۔ انکی تنخواہ اور مراعات بھی کچھ نہیں۔ خوب سمجھ لیجیے۔۔۔

یہ لوگ شاہی لوگ ہیں۔۔ خصوصی لوگ Vvip لوگ (اللہ کے عظیم الشان دربار والے)

انکی عزت اور اکرام اور خیال حضور سرور دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال اور اکرام ہے اور ان کے بے قدری اور بے خیالی آپ علیہ السلام کی بے قدری ہے کیونکہ ان کو فخر دوعالم ﷺ نے العلماء ورثۃ الأنبیاء فرمایا ہے۔

باقی آپ لوگ خود سمجھ سکتے ہیں۔

رہبر بھی یہ ہمدم بھی یہ غم خوار ہمارے

استاد یہ قوموں کے ہیں معمار ہمارے

دنیا میں بہت سارے رشتے ہوتے ہیں جو انسان سے جڑے ہوتے ہیں۔ جن میں سے کچھ رشتے خون کے ہوتے ہیں اور کچھ رشتے روحانی ہوتے ہیں۔ انہیں رشتوں میں سے ایک استاد کا رشتہ ہے۔ اسلام میں استاد کا مرتبہ ماں باپ کے برابر ہے کیونکہ ایک استاد ہی ہے جو ماں باپ کے بعد اصل زندگی کے معنی سکھاتے ہیں، ہمیں زندگی جینا سکھاتے ہیں۔ صحیح اور غلط کی پہچان کرنا سکھاتے ہیں۔

استاد کی تعریف اگر ان لفظوں میں کی جائے تو غلط نہ ہوگا

”ایک استاد لوہے کو تپا کر کندن، پتھر کو تراش کر ہیرا بناتا ہے استاد معمار بھی ہیں اور لوہار بھی“۔

اُستاد ایک چراغ ہے جو تاریک راہوں میں روشنی کے وجود کو برقرار رکھتا ہے۔اُستاد وہ پھول ہے جو اپنی خوشبو سے معاشرے میں امن،مہر ومحبت ودوستی کا پیغام پہنچاتا ہے۔اُستاد ایک ایسار ہنما ہے جو آدمی کو زندگی کی گمراہیوں سے نکال کر منزل کی طرف گامزن کرتا ہے۔

اللہ رب العزت نے انسان کی تخلیق کو احسن تقویم ارشاد فرمایا ہے،مصوری کا یہ عظیم شاہکار دنیائے رنگ وبو میں خالق کائنات کی نیابت کا حقدار بھی ٹھہرا،اشرف المخلوقات، مسجود ملائکہ اور خلیفۃ اللہ فی الارض سے متصف حضرت انسان نے یہ ساری عظمتیں اور رفعتیں صرف اور صرف علم کی وجہ سے حاصل کی ہیں ورنہ عبادت وریاضت ،اطاعت و فرمانبرداری میں فرشتے کمال رکھتے تھے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ حصول علم درس ومشاہدہ سمیت کئی خارجی ذرائع سے ہی ممکن ہوتا ہے،ان میں مرکزی حیثیت استاد اور معلّم ہی کی ہے،جس کے بغیر معاشرہ کی تشکیل ناممکن ہے۔معلّم ہی وہ اہم شخصیت ہے جو تعلیم و تربیت کا محور،منبع ومرکز ہوتا ہے۔

اسلام نے دنیا کو علم کی روشنی عطا کی۔استاد کو عظمت اور طالب علم کو اعلیٰ وارفع مقام عطا کیا ہے، نبی کریم ﷺ نے اپنے مقام ومرتبہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا؛

"مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے"(ابن ماجہ۔229)۔

معلّم کے کردار کی عظمت واہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کائنات میں معلّم اوّل خود رب کائنات ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (سورة البقره: 31)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھادیے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (سورة الرحمن آيت 1 تا 4)

وہ جو نہایت مہربان ہے۔اسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی۔اسی نے انسان کو پیدا کیا۔اسی نے اسکو بولنا سکھایا۔

سورۃ العلق میں ارشاد باری تعالی ہے:

اِقْرَاۡ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاۡ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ (سورۃ العلق آیت 1 تا 5)

اے نبی ﷺ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اسکو علم نہ تھا۔

معلّم کائنات نے انسانیت کی رہنمائی اور تعلیم کے لیے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کو معلّم و مربّی بنا کر بھیجا۔ استاد ہونا ایک بہت بڑی نعمت اور عظیم سعادت ہے ۔ معلّم کو اللہ اور اس کی مخلوقات کی محبوبیت نصیب ہوتی ہے، مخبر صادق ﷺ نے استاد کی محبوبیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ:

لوگوں کو بھلائی سکھانے والے پر اللہ، ان کے فرشتے، آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں رحمت بھیجتی اور دعائیں کرتی ہیں۔ (ترمذی۔2675)

اساتذہ کے لیے نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی کہ:

اللہ تعالی اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے میری کوئی بات سنی اور اسے یاد رکھا اور اس کو جیسا سنا اسی طرح لوگوں تک پہنچایا۔ (ابوداؤد۔366)

حضرت علی المرتضیٰؓ کا قول ہے کہ:

جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھادیا میں اس کا غلام ہوں خواہ وہ مجھے آزاد کردے یا بیچ دے۔ (تعلیم المتعلم۔21)

حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ:

"ہم استاد سے اتنا ڈرتے اور ان کا اتنا ادب کرتے تھے جیسا کہ لوگ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں۔ "

خود نبی ﷺ نے اہلِ علم کو عزت دی" جنگ بدر کے قیدیوں کا جائزہ لیا جارہا ہے، کچھ ایسے قیدی بھی ہیں جن کے پاس فدیہ کے لیے کچھ بھی نہیں ہے ایسے میں لسانِ نبوت سے اعلان ہوتا ہے کہ وہ قیدی جو پڑھنا لکھنا جانتے ہیں وہ انصار کے بچوں کو پڑھنا لکھنا سیکھادیں یہی ان کا فدیہ ہوگا" یہ علم اور اصحابِ علم کی تعظیم ہی تو ہے۔

استاد کی تعظیم کا منظر دیکھیے کہ فرشتوں کے سردار جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور انبیاء کے سردار اور معلمِ انسانیت کے پاس جب علم حاصل کرنے بیٹھتے ہیں تو باادب اپنے زانو سمیٹ کر بیٹھتے ہیں۔۔۔ سبحان اللہ

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین نبی کی خدمت اس طرح بیٹھتے تھے جیسے سر پر کوئی پرندہ بیٹھا ہو۔۔۔ اللہ اللہ استاد کی یہ عظمت!

حضرت یحییٰ بن معینؒ بہت بڑے محدث تھے امام بخاریؒ اُن کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"محدثین کا جتنا احترام وہ کرتے تھے اتنا کرتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔"

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ:

"جو استاد کی قدر نہیں کرتا وہ کامیاب نہیں ہوتا۔"(تعلیم المتعلم 22)

امام اعظم ابو حنیفہؒ اپنے استاد کا اتنا ادب کرتے تھے کہ کبھی استاد کے گھر کی طرف پاؤں کرکے نہیں سوئے۔

فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب ھدایہ کے مصنف، شیخ الاسلام برہان الدینؒ بیان فرماتے ہیں کہ ائمہ بخارا میں سے ایک امام دوران درس بار بار کھڑے ہو جاتے، شاگردوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میرے استاد کا لڑکا گلی میں بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے جب مسجد کے دروازے کے سامنے آتا ہے میں اپنے استاد کی وجہ سے ادب میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔

خلیفہ ہارون الرشید نے امام اصمعیؒ کے پاس اپنا بیٹا تحصیل علم وادب کے لیے بھیجا، ایک دن خلیفہ نے دیکھا کہ امام اصمعی وضو کر رہے ہیں اور اس کا بیٹا استاد کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ خلیفہ نے امام صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنا بیٹا اس لیے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ اس کو علم وادب سکھائیں، آپ اسے یوں کیوں نہیں کہتے کہ یہ ایک ہاتھ سے آپ کے پاؤں پر پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے اس پاؤں کو دھوئے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معلّم کو سب سے بہترین انسان قرار دیا گیا ہے، استاد کے ادب کو تحصیل علم کے لیے بنیاد اور اساس کہا گیا ہے۔ عربی مقولہ ہے

"الادب شجر والعلم ثمر ثم فكيف يجدون الثمر بدون الشجر"

"ادب درخت ہے اور علم پھل ہے پھر بغیر درخت کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔"

استاد ایک واجب الاحترام اور لائق تنظیم ہستی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب طالب علم حصول علم کی تلاش میں میلوں کا سفر پیدل طے کرتے تھے سالہا سال ملکوں میں گھومتے گھر بار سے دور رہ کر اپنے علم کی پیاس کو پورا کرتے تھے۔ استاد کی سزاؤں کو

جھیلتے تب جا کر نگینہ بنتے۔ مگر اُس دور میں طالب علم باادب اور باتہذیب ہوتے تھے۔ استاد کے قدموں بیٹھنا' ان کی باتوں کو خاموشی سے سننا' مذاق اڑانا تو دور کی بات نظر اٹھا کر بات کرنے سے بھی ڈرتے تھے۔

وقت نے اپنی اڑان بھری تو انسان بھی کئی ترقی کی منزلیں طے کرتا چلا گیا اور اگر وقت بدلا تو تہذیب اور آداب کے انداز بھی ساتھ ساتھ بدلتے گئے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ آج کے دور میں طالب علم اولاً تو استاد کو تنخواہ دار ملازم ہی سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج علم ناپید ہوتا جا رہا ہے اتنے سکول' کالج' یونیورسٹیاں ہونے کے باوجود معاشرے میں اخلاقیات اور تہذیب کا کوئی نام نہیں۔ اسلام نے مسلمانوں پر علم فرض قرار دیا ہے وہیں اسلام کی نظر میں استاد کو معزز رتبہ دیا ہے تاکہ اس کی عظمت سے علم کا وقار بڑھ سکے۔ علم کی قدر اُس وقت ممکن ہے جب معاشرے میں استاد کو عزت دی جائیگی اور ہمیشہ وہ طالب علم ہی کامیاب ہوتے ہیں جو استاد کا احترام کرتے ان کی عزت کرتے ہیں۔

یہ آفاقی سچائی ہے کہ جس سماج نے استاد کی اہمیت کو جانا اور شعوری طور پر استاد کو اس کا حق دیا اس نے کامیابی کی منزلیں عبور کیں اور جس معاشرے نے استاد کی تحقیر و تذلیل کی ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن گئی۔

اللہ ہم سب کو اپنی اصلاح کی توفیق نصیب فرمائے۔۔۔ آمین

معصومیت بھرے پرانے دور میں الماریوں میں اخبارات بھی انگریزی کے بچھائے جاتے تھے کہ ان میں مقدس کتابوں کے حوالے نہیں ہوتے۔

چھوٹی سے چھوٹی کوتاہی پر بھی کوئی نہ کوئی سناسنایا خوف آڑے آجاتا تھا۔۔۔

زمین پر نمک یا مرچیں گر جاتی تھیں تو ہوش و حواس اڑ جاتے تھے کہ قیامت والے دن آنکھوں سے اُٹھانی پڑیں گی۔

گداگروں کو پورا محلہ جانتا تھا اور گھروں میں ان کے لیے خصوصی طور پر کھلے پیسے رکھے جاتے تھے۔

محلے کا ڈاکٹر ایک ہی سرنج سے ایک دن میں پچاس مریضوں کو ٹیکے لگاتا تھا، لیکن مجال ہے کسی کو کوئی انفیکشن ہو جائے۔

یرقان یا شدید سر درد کی صورت میں مولوی صاحب ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دم کر دیا کرتے تھے اور بندے بھلے چنگے ہو جاتے تھے۔

گھروں میں خط آتے تھے اور جو لوگ پڑھنا نہیں جانتے تھے وہ ڈاکیئے سے خط پڑھواتے تھے۔ ڈاکیا تو گویا گھر کا ایک فرد شمار ہوتا تھا' خط لکھ بھی دیتا تھا' پڑھ بھی دیتا تھا اور لسی پانی پی کر سائیکل پر یہ جا وہ جا۔

امتحانات کا نتیجہ آنا ہوتا تھا تو 'نصر من اللہ و فتح قریب' پڑھ کر گھر سے نکلتے تھے اور خوشی خوشی پاس ہو کر آجاتے تھے۔

یہ وہ دور تھا جب لوگ کسی کی بات سمجھ کر ''اوکے'' نہیں ''ٹھیک ہے'' کہا کرتے تھے۔ موت والے گھر میں سب محلے دار سچے دل سے روتے تھے اور خوشی والے گھر میں حقیقی قہقہے لگاتے تھے۔ ہر ہمسایہ اپنے گھر سے سالن کی ایک پلیٹ ساتھ والوں کو بھیجتا تھا اور اُدھر سے بھی پلیٹ خالی نہیں آتی تھی۔ میٹھے کی تین ہی اقسام تھیں۔۔۔ حلوہ، زردہ اور کھیر

آئس کریم دُکانوں سے نہیں لکڑی کی بنی ریڑھیوں سے ملتی تھی، جو میوزک نہیں بجاتی تھیں۔

گلی گلی میں سائیکل کے مکینک موجود تھے جہاں کوئی نہ کوئی محلے دار قمیص کا کونا منہ میں دبائے' پمپ سے سائیکل میں ہوا بھرتا نظر آتا تھا۔ نیاز بٹتی تھی تو سب سے پہلا حق بچوں کا ہوتا تھا۔ دودھ کے پیکٹ اور دُکانیں تو بہت بعد میں وجود میں آئیں' پہلے تو لوگ 'بہانے' سے دودھ لینے جاتے تھے۔ گفتگو ہی گفتگو تھی' باتیں ہی باتیں تھیں' وقت ہی وقت تھا۔

گلیوں میں چارپائیاں بچھی ہوئی ہوتی تھیں' محلے کے بابے حُقہ پی رہے ہوتے تھے اور پرانے بزرگوں کے واقعات بیان کر رہے ہوتے تھے۔

جن گھروں میں ٹی وی آچکا تھا انہوں نے اپنے دروازے محلے کے بچوں کے لیے ہمیشہ کھلے رکھے۔

مٹی کا لیپ کی ہوئی چھت کے نیچے چلتا ہوا پنکھا سخت گرمی میں بھی ٹھنڈی ہوا دیتا تھا۔ اور فرج کے بغیر بھی مٹکے اور صراحیوں کا پانی ٹھنڈا رہتا تھا۔

لیکن۔۔۔ پھر اچانک سب کچھ بدل گیا۔ ہم قدیم سے جدید ہو گئے۔ اب باورچی خانہ سیڑھیوں کے نیچے نہیں ہوتا۔ کھانا بیٹھ کر نہیں پکایا جاتا۔ دستر خوان شائد ہی کوئی استعمال کرتا ہو۔ منجن سے ٹوتھ پیسٹ تک کے سفر میں ہم نے ہر چیز بہتر سے بہتر کر لی ہے، لیکن پتہ نہیں کیوں اِس قدر سہولتوں کے باوجود ہمیں گھر میں ایک ایسا ڈبہ۔۔۔۔۔ ضرور رکھنا پڑتا ہے، جس میں، ڈپریشن' سر درد' بلڈ پریشر' نیند اور وٹامنز کی گولیاں ہر وقت موجود ہوں، (ناقابل فراموش لمحات)

الحمد لله
تقبل الله منا ومنكم صالح الأعمال